اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (۱۱۱۵۔۱۲۰۶ھ) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اور اسی کو اپنا عقیدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''۔۔۔اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں، دونوں آج موجود ہیں اور وہ کبھی فنا نہ ہوں گی۔ مؤمن روزِ قیامت اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، جیسا کہ وہ چودھویں رات چاند کو دیکھ لیتے ہیں، اس کے دیکھنے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کریں گے۔ میں یہ بھی ایمان رکھتا ہوں کہ محمد ﷺ خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا، جب تک وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لے آتا اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی نہیں دے دیتا۔ (میرا یہ بھی اعتقاد ہے کہ) آپ ﷺ کی امت میں سے افضل ترین شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق ہیں، پھر سیدنا عمر فاروق، پھر سیدنا عثمان ذوالنورین، پھر سیدنا علی المرتضیٰ، پھر عشرۂ مبشرہ میں سے (خلفائے اربعہ کے علاوہ) باقی صحابہ، پھر بدر والے، پھر درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کرنے والے، پھر باقی تمام صحابہ کرام ہیں۔ رضی اللہ عنہم

میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے محبت رکھتا ہوں، ان کے محاسن بیان کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، ان کے لیے استغفار کرتا ہوں، ان کی غلطیوں کو بیان کرنے سے اپنی زبان کو روکتا ہوں، ان کے درمیان ہونے والے اختلافات (میں تبصرہ کرنے) سے خاموش رہتا ہوں اور اس فرمانِ باری تعالیٰ کی تعمیل کرتے ہوئے ان کی فضیلت پر پورا یقین رکھتا ہوں:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحشر : ۵۹/۱۰) (اور وہ لوگ (بھی مالِ فے کے حق دار ہیں) جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں، تُو ہمارے دلوں میں ایمان والے لوگوں کے خلاف کینہ پیدا نہ کرنا، اے ہمارے رب! یقیناً تُو رؤوف ورحیم ہے۔)

میں امہات المؤمنین پر راضی ہوں، جو کہ ہر بُرائی سے پاک ہیں۔ میں اولیائے کرام کی کرامات ومکاشفات کا بھی اقراری ہوں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حق (عبادت) میں سے کسی چیز کے مستحق نہیں ہوسکتے، نہ ہی ان سے وہ چیزیں طلب کی جاسکتی ہیں، جن پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ میں کسی مسلمان کے لیے جنت وجہنم کا حکم نہیں لگاتا، سوائے ان لوگوں کے جن پر رسول اللہ ﷺ نے (جنت یا جہنم کا) حکم لگا دیا ہے، البتہ میں نیک وکار کے لیے (جنت کی) امید رکھتا ہوں اور بدکار پر (جہنم واجب ہونے کا) ڈر رکھتا ہوں۔ میں کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتا اور نہ دائرۂ اسلام سے کسی مسلمان کو خارج قرار دیتا ہوں۔ میں ہر نیک وفاجر خلیفہ کے ساتھ مل کر جہاد کرنا درست سمجھتا ہوں۔ ان (فاجر خلیفوں) کی اقتداء میں نماز جائز ہے۔۔۔'' (مؤلفات ابن عبد الوهاب : ص ۱۰۔۱۱)

جاری ہے۔۔۔

شمارہ نمبر ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ، اپریل ۲۰۱۰ء

مرد کے لیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

مرد کے لیے ٹخنوں سے نیچے تہہ بند، شلوار، پائجامہ، قمیص وغیرہ لٹکانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا تکبر اور اسراف ہے۔ یہ عملِ شنیع متکبرین اور عورتوں سے مشابہت وغیرہ کا موجب ہے، جبکہ اس سے اجتناب واجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَمْشِ فِيْ الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۷/۱۷)

''اور زمین پر اکڑ کر مت چلو، نہ تو آپ زمین کو پھاڑ سکتے ہیں اور نہ ہی لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہیں۔''

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ (لقمان : ۱۸/۳۱)

''اللہ تعالیٰ متکبر اور شیخی خورے کو پسند نہیں فرماتے۔''

ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانے والے کے بارے میں شدید وعید آئی ہے، جیسا کہ:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بينا رجل يجرّ إزاره ، خسف به ، فهو يتجلجل فى الأرض إلى يوم القيامة))

''(تم سے پہلے لوگوں میں) ایک آدمی تھا، جو تکبر اور غرور کی وجہ سے اپنا تہ بند گھسیٹ کر چلتا تھا (جان بوجھ کر اس نے کپڑا لٹکایا ہوا تھا)، وہ اس وجہ سے زمین میں دھنسا دیا گیا، تا قیامت زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔''(صحیح بخاری : ۵۷۹۰، صحیح مسلم : ۴۹/۲۰۸۸ من حدیث ابی ہریرۃ)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما أسفل من الكعبين من الإزار فى النّار)) ''ٹخنوں کے نیچے جسم کا وہ حصہ جہاں تہ بند پہنچے، وہ آگ میں جلے گا۔''(صحیح بخاری : ۵۷۸۷)

③ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان سے کلام نہیں کریں گے، نہ ان کی طرف نظر

رحمت سے دیکھیں گے، نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی، سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! وہ خاسر وخائب لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((المسبل إزاره، والمنّان، والمنفّق سلعته بالحلف الكاذب)) ''① ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا ② احسان جتلانے والا اور ③ جھوٹی قسم اٹھا کر مال فروخت کرنے والا۔'' (صحیح مسلم: ۱۰۶)

ایک شبہ اور اس کا إزالہ:

وہ احادیث جن میں خیلاء (تکبر) کا ذکر نہیں ہے، ان کے عموم کو ان احادیث کے ساتھ خاص کر دیا جائے، جن میں خیلاء (تکبر) کا ذکر ہے، یعنی وعید اس شخص کے لیے ہوگی، جو تکبر کی وجہ سے کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔''

(التمهيد لابن عبد البر: ۲٤٤/۳، شرح صحيح مسلم للنووي: ۷۱/۱، ۱۹٤/۲-۱۹۵)

علامہ ابن العربی المالکی رحمہ اللہ اس شبہ کا ازالہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

لا يجوز لرجل أن يجاوز بثوبه كعبه ويقول: لا أتكبّر فيه، لأنّ النّهى قد تناوله لفظا وتناول علّته، ولا يجوز يتناول اللّفظ حكما، فيقال: إنّى لست ممّن يمتثله، لأنّ تلك العلّة ليست فيّ، فإنّه مخالفة للشّريعة، ودعوى لا تسلم له، بل من تكبّره يطيل ثوبه وإزاره، فكذبه معلوم ... ''کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور کہے کہ میرا اس میں تکبر کا ارادہ نہیں ہے۔ یہ کہنا اس لیے جائز نہیں ہے کہ اس پر (کپڑا لٹکانے کی) نہی لفظی اعتبار سے شامل ہے اور یہ نہی کی علت، یعنی تکبر کو بھی شامل ہے۔ جب ایک لفظ حکم پر بھی شامل ہو تو آدمی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں اس کا ارتکاب نہیں کرتا، کیونکہ یہ (تکبر والی) علت مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ شریعت کی مخالفت ہے اور ایسا دعویٰ ہے، جسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ اپنے تکبر ہی کی وجہ سے اپنے کپڑے اور تہ بند کو لمبا رکھتا ہے، لہٰذا اس کا جھوٹ قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔'' (عارضة الاحوذي لابن العربي: ۲۳۸/۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس عبارت کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: **الإسبال يستلزم جرّ الثّوب وجرّ الثّوب يستلزم الخيلاء، ولو لم يقصد اللّابس الخيلاء ....**

''کپڑا لٹکانے سے گھسیٹنا لازم آتا ہے اور گھسیٹنے سے تکبر لازم آتا ہے، اگرچہ پہننے والا تکبر کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو۔'' (فتح الباری لابن حجر : ۱۰/۲٦٤)

④ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وارفع إزارک إلی نصف السّاق ، فإن أبیت فإلی الکعبین ، وإیّاک وإسبال الإزار ، فإنّها من المخیلة ، وإنّ اللّٰه لا یحبّ المخیلة ..))

''اپنا تہ بند نصف پنڈلی تک اٹھا کر رکھو، اگر تم اس سے انکاری ہو تو (کم از کم) دونوں ٹخنوں تک رکھو، تہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچو، یہ تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔''

(سنن ابی داوٗد ، ٤٠٨٤، واللفظ له ، المعجم الکبیر للطبرانی : ٦٣٨٦، السنن الکبری للبیهقی : ۱۰/۲۳٦، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۷۲۲) نے ''حسن صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (٤/۱۸٦) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ((وإیّاک وتسبل الإزار ، فإنّها من الخیلاء ، والخیلاء لا یحبّها اللّٰه)) ''ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکانے سے بچو، کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔'' (مسند الامام احمد : ٥/٦٣، وصححه ابن حبان (٥٢٢) وقال ابن عساکر : حدیث حسن غریب (معجم الشیوخ لابن عساکر : ١٤٩١) ، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث میں تنصیص وتصریح ہے کہ جان بوجھ کر کپڑا ٹخنے سے نیچے لٹکانا ہی تکبر اور عُجب وافتخار کی علامت ہے، خواہ تکبر کا قصد نہ بھی ہو۔

⑤ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرا گزر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا۔ میری حالت یہ تھی کہ (غیر ارادی طور پر) میری شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عبداللہ! اپنی شلوار اوپر کر، میں نے اوپر کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور زیادہ کر، میں نے اور زیادہ کر لی۔ اس کے بعد میں ہمیشہ خیال رکھتا تھا (کہ کہیں شلوار ٹخنے سے نیچے نہ چلی جائے)۔ لوگوں نے پوچھا، شلوار کہاں تک ہونی چاہیے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نصف پنڈلی تک۔'' (صحیح مسلم : ۲۰۸٦)

⑥ ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا:

((من هذا ؟ فقلت : أنا عبد اللّٰه ! فقال : إن كنت عبد اللّٰه ، فارفع إزارك))

''یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی ، میں عبداللہ ہوں ، آپ نے فرمایا ، اگر تو عبداللہ (اللہ کا بندہ) ہے تو اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر کرلے۔'' (مسند الامام احمد : ۲/۱۴۷، مسند ابی یعلیٰ : ۵۶۴۴، شعب الایمان للبیہقی : ۶۱۱۹، وسندہٗ صحیحٌ)

غور فرمائیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی نیت کے بارے میں سوال نہیں کیا کہ کیا آپ نے کپڑا تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے یا ویسے ہی؟ بلکہ جوں ہی دیکھا، کپڑے کو اوپر اٹھانے کا حکم صادر فرما دیا، لہٰذا یہ کہنا کی تکبر کی نیت ہو تو ناجائز ہے، ورنہ نہیں۔ کیا سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حسنِ ظن یہ ہے کہ انہوں نے تکبر کی بنا پر لٹکایا تھا، اس لیے نبیٔ اکرم ﷺ نے منع فرمایا؟

اصل بات یہ ہے کہ تکبر کی قید اس لیے لگائی گئی کہ بسا اوقات نہ سمجھی میں یا خود بخود تہبند نیچے ہو جاتا ہے، اس پر یہ وعید نہیں، لیکن جو جانتے بوجھتے اس طرح کرے گا، وہ متکبر ہوگا۔

⑥ سیدنا شرید بن سوید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ایک ثقفی شخص کے پیچھے چل رہے تھے، یہاں تک کہ اس کی طرف لپک (عام چال اور دوڑنے کے درمیان کی چال چل) کر اس کا کپڑا پکڑ لیا اور فرمایا: **ارفع إزارك** (فی روایة الحمیدی : ۸۱۰ ، واحمد : ۱۹۴۰۴، وسندہٗ صحیحٌ : واتّق اللّٰه) ''اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر کرلیں اور اللہ سے ڈر جائیں۔''

راوی کہتے ہیں کہ اس آدمی نے اپنے ٹخنوں سے کپڑا اٹھا لیا اور عرض کی ، اے اللہ کے رسول! میرے پاؤں ٹیڑھے ہیں اور گھٹنے ٹکراتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) اس آدمی نے تا وفات اپنا تہبند نصف پنڈلی تک رکھا۔

(مسند الامام احمد : ۴/۳۹۰، ح : ۱۹۷۰۱، وسندہٗ صحیحٌ ورجاله ثقات)

⑦ عبدالرحمٰن بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے تہبند کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، میں آپ کو بادلیل جواب دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **((إزار المؤمن إلى أنصاف ساقيه ، لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين ، ما أسفل من ذلك ففي النّار ، ما أسفل من ذلك ففي النّار ، لا ينظر اللّٰه يوم القيامة إلى من جرّ إزاره بطرا))** ''مؤمن کے تہبند کی جگہ نصف پنڈلی

ہے۔نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان رکھے تو کوئی گناہ نہیں۔(تہبند رکھنے کا) جو حصہ اس (ٹخنے) سے نیچے ہوگا، وہ آگ میں جلے گا، (تہبند رکھنے کا) جو حصہ اس (ٹخنے) سے نیچے ہوگا، وہ آگ میں جلے گا، جس نے تہبند کو تکبر کی وجہ سے (یعنی جان بوجھ کر) ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔''(موطا الامام مالک : ۹۱٤/۲۔۹۱۵، السنن الکبرٰی للبیھقی : ۲٤٤/۲، شرح السنة للبغوی : ۳۰۸۰)

اس کی سند ''حسن'' ہے۔اس کے راوی العلاء بن عبدالرحمٰن جمہور کے نزدیک ''صدوق، حسن الحدیث'' ہیں اور صحیح مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔

اس حدیث کو امام ابوعوانہ رحمہ اللہ (٤۸۳/۵) اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۵٤٤۷) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑦ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ رسول سیدنا سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے کہا، آپ ہمیں کوئی ایسی بات بتائیں، جو ہمیں فائدہ دے اور آپ کو نقصان نہ دے۔اس پر انہوں نے کہا:

قال لنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : نعم الرّجل خريم الأسديّ لو لا طول جمّته وإسبال إزاره ، فبلغ ذلك خريما ، فعجل ، فأخذ شفرة ، فقطع بها جمّته إلى أذنيه ورفع إزاره إلى أنصاف ساقيه . ''خریم اسدی بھی کیا خوب آدمی ہے اگر اس کے بال (کندھوں تک) لمبے نہ ہوں اور اس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔یہ بات خریم اسدی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے جلدی سے استرا لیا اور بال کانوں تک کاٹ دیئے اور شلوار نصف پنڈلی تک اٹھا لی۔''(سنن ابی داؤد : ٤۰۸۹، مسند الامام احمد : ۱۸۰/٤، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۱۸٤/٤، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس کا راوی ہشام بن سعد جمہور کے نزدیک ''موثق، حسن الحدیث'' ہے۔ **ان شاء اللّٰه !**

⑨ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ:

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک مجوسی یا عیسائی نے وار کر کے زخمی کر دیا اور آپ کا پیٹ چاک ہوگیا۔آپ رضی اللہ عنہ کو نبیذ پلائی گئی، وہ آنتوں کے راستے باہر نکل آئی، دودھ لایا گیا، آپ نے پیا تو

وہ بھی آنتوں کے راستے باہر نکل آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جان گئے کہ آپ رضی اللہ عنہ جانبر نہیں ہوسکیں گے۔ لوگ آپ کی تعریف کررہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نوجوان آیا، اس نے کہا، اے امیر المومنین! آپ کو بشارت ہو، آپ کو صحبتِ رسول کا شرف حاصل ہے، یقیناً آپ جانتے ہیں کہ آپ کو سبقتِ اسلام کا بھی شرف حاصل ہے، آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے عدل وانصاف کے پھریرے لہرادیئے، اب اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت کے منصب پر فائز کرنے والے ہیں۔ (یہ سن کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا، میری خواہش ہے کہ یہ سب امور میرے لیے برابر ہوجائیں، نہ عذاب ہو نہ ہی ثواب! جب وہ نوجوان واپس پلٹا تو اس کا تہبند زمین پر لگ رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **ابن أخي ! ارفع ثوبک ، فإنّه أنقی لثوبک و أتقی لربّک .**

''اے میرے بھتیجے! اپنا کپڑا ٹخنوں سے اوپر اٹھالیں۔ اس میں آپ کے کپڑوں کی صفائی ہے اور تقویٰ کا باعث ہے۔'' (صحیح بخاری: ۳۷۰۰)

معلوم ہوا کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر قربان جایئے کہ آپ نے وقتِ وفات بھی مخالفتِ سنت کو برداشت نہ کیا، جبکہ آپ اس وقت زخموں سے چُور چُور تھے، خون میں لت پت تھے، زندگی اور موت کی کشمکش میں ایک نوجوان کو تہبند ٹخنے سے اوپر اٹھانا کا کہہ رہے ہیں، ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی عیاں کردی اور رہتی دنیا تک کے نوجوانوں کو سبق دے دیا کہ ٹخنے ننگے رکھنا ضروری ہے۔ یہ تقویٰ کی بات ہے۔

⑩ مسلم بن یناق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی دیکھا، جو اپنا تہبند گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، آپ کس قبیلہ سے ہو؟ اس نے اپنا نسب بیان کیا، وہ بنولیث سے تھا۔ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اسے پہچان لیا اور فرمایا کہ میں نے ان دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جو شخص تکبر کے ارادہ سے تہبند لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔'' (صحیح مسلم: ۴۵/۲۰۸۵)

⑪ محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی دیکھا، جو اپنا تہبند گھسیٹ کر چل رہا تھا، وہ بحرین کا امیر تھا۔ زمین پر پاؤں مار مار کر کہہ رہا تھا کہ امیر آگیا، امیر آگیا۔ میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص تکبر کی وجہ سے تہبند گھسیٹ کر چلے،

اللہ تعالیٰ اس کی طرف (روزِ قیامت) نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔'' (صحیح مسلم : ۲۰۸۷)

⑫ ابواسحاق السبیعی تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **رأیت ناسا من أصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یأتزرون علی أنصاف سوقھم ، فذکر أسامۃ بن زید ، وابن عمر ، وزید بن أرقم ، والبراء بن عازب ...** ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بہت سے لوگ دیکھے ہیں، جو تہبند نصف پنڈلی پر رکھتے تھے، پھر انہوں نے سیدنا اسامہ بن زید، ابنِ عمر، زید بن ارقم اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۹۲/۸۔۳۹۳، وسندہٗ حسن)

⑬ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو تہبند میں دیکھا، وہ آگے سے اس کا کونہ اپنے پاؤں کی پیٹھ پر رکھتے اور پیچھے سے اٹھا کر رکھتے تھے۔ میں نے کہا، آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باندھتے تھے۔''

(سنن ابی داوٗد : ٤٠٩٦، وسندہٗ حسنٌ)

کسی صحابی سے جان بوجھ کر ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا ثابت نہیں ہے۔

⑭ محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ (صحابہ وتابعین) نصف پنڈلی سے اوپر تہبند اٹھا کر رکھنا پسند کرتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۹۲/۸، وسندہٗ حسنٌ)

تنبیہ نمبر ① : سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کپڑا لٹکاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا، میں پتلی پنڈلیوں والا انسان ہوں۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۸۹/۸، وسندہٗ حسنٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس کی سند کو ''جید'' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس کو اس حالت پر محمول کریں گے کہ وہ جگہ جہاں شلوار رکھنا مستحب ہے، یعنی نصف پنڈلی، اس سے زیادہ لٹکی ہوئی تھی، کیونکہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکایا ہو۔ پنڈلیوں کے باریک ہونے کی علت اسی طرف رہنمائی کرتی ہے۔۔۔'' (فتح الباری : ۲٦٤/۱۰)

تنبیہ نمبر ② : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من جرّ ثوبہ خیلاء لم ینظر اللّٰہ إلیہ یوم القیامۃ ، قال أبو بکر : یا**

رسول اللّٰه ! إن أحد شقي إزاري يسترخي إلّا أن أتعاهد ذلک منه ، فقال النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : لست ممّن يصنعه خيلاء . ''جس نے تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹا، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میرے تہبند کا ایک پہلو لٹک جاتا ہے، ہاں جب میں اس پر محافظت کروں تو نہیں لٹکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جو تکبر کی وجہ سے کپڑا لٹکاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری : ٥٧٨٤)

ایک روایت میں ہے: **فقال أبو بكر : إنّه يسترخي إزاري أحياناً .**

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، کبھی کبھار میرا تہبند (غیر ارادی طور پر) خود بخود لٹک جاتا ہے۔''

(مسند الامام احمد : ١٤٧/٢، مسند ابی یعلی : ٥٦٤٤، شعب الایمان للبیہقی : ٦١١٩، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ جو تکبر کے ارادے سے لٹکاتا ہے، وہ اس وعید میں داخل ہوگا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان جان بوجھ کر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، خواہ تکبر کا قصد ہو یا نہ ہو، اس کے لیے یہ وعیدِ شدید ہے۔

ہاں! اگر کوئی آدمی کپڑا ٹخنوں سے اوپر رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود غیر ارادی یا غیر اختیاری طور پر کپڑا اپنے نیچے لٹک جاتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ معذور ہے، جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں پوری پوری محافظت کرتا ہوں تو تہبند نیچے نہیں لٹکتا۔ کبھی ذرا سی غفلت کروں تو نیچے لٹک جاتا ہے۔ حدیث میں **يسترخي** کا لفظ بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ تہبند خود بخود نیچے لٹک جاتا تھا، وہ بھی کبھی کبھار نہ کہ ہمیشہ۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ قصداً نہیں لٹکاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ وعید ہر اس انسان کو شامل ہے، جو تکبر کے ارادے سے لٹکایا ہے یا بغیر تکبر کے ارادے سے۔ تب ہی تو یہ سوال کیا تھا کہ غیر ارادی طور پر غفلت کی وجہ سے میرا تہبند لٹک جاتا ہے۔ کیا میں بھی اسی وعید میں داخل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں۔

ہاں! اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ پوچھتے کہ میں خود شلوار ٹخنے سے نیچے لٹکا کر رکھتا ہوں اور میرا تکبر کا ارادہ نہیں ہوتا، پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے تو بات صحیح ہوتی، جبکہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں

ہے، لہٰذا یہ حدیث اس بات پر دلالت کناں ہے کہ جو جان بوجھ کر کپڑا لٹکاتا ہے، خواہ تکبر کا قصد نہ بھی ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے، کیونکہ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا بذاتِ خود تکبر ہے۔ اس میں قصد وارادہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔

تنبیہ نمبر ③ : سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ سورج کو گہن لگ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **يجرّ ردائه ، حتّى دخل المسجد ...**

''آپ رضی اللہ عنہ تہبند گھسیٹتے ہوئے (جلدی سے) کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ آپ مسجد میں تشریف لے آئے تو ہم بھی مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔''

(صحیح بخاری : ۱۰۴۰)

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب خواب میں اذان سنی، پھر حالتِ بیداری میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر گھر سے باہر نکلے تو **فخرج يجرّ ردائه ...** ''آپ تہبند گھسیٹتے ہوئے نکلے۔'' (مسند الامام احمد : ٤٣/٤، سنن ابی داوٗد : ٤٩٩، وسندهٗ حسنٌ ومحمد ابن اسحاق موثق عند الجمهور)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۱۵۸)، امام ابنِ خزیمہ (۳۷۱)، امام ابنِ حبان (١٦٧٩) اور حافظ نووی رحمہ اللہ (خلاصة الاحكام : ١/٢٧٦) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ (۱۷۹) اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (نتائج الافكار : ١/٣٣٨) نے ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے۔

یہ اور اس جیسی دوسری احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اوپر والی چادر گھسٹ رہی تھی نہ کہ تہبند، کیونکہ رداء اوپر والی چادر کو کہتے ہیں۔ ورنہ تہبند کو لٹکانے سے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وقتِ وفات بھی منع فرمایا تھا۔

⑮ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **أخذ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بعضلة ساقي أو بعضلة ساقه ، قال : فقال : الإزار هاهنا ، فإن أبيت فهاهنا ، فإن أبيت فهاهنا ، فإن أبيت فلا حقّ للإزار في الكعبين ...**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی پکڑ کر فرمایا، تہبند کو یہاں رکھو، اگر آپ انکاری ہیں تو یہاں

رکھو، اگر آپ انکاری ہیں تو یہاں رکھو، اگر آپ انکاری ہیں تو (یاد رکھو) ٹخنے پر تہبند کا کوئی حق نہیں۔''

(مسند الامام احمد : ۳۹۶/۵، وسندهٗ حسنٌ)

اس کا راوی مسلم بن نذیر ''حسن الحدیث'' ہے۔امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لا بأس بحديثه . ''اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔'' (الجرح والتعديل : ۱۹۷/۸)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ (۱۷۸۳) نے اس کی حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے۔یہ توثیق ہے۔

یہ حدیث واضح طور پر پتہ دے رہی ہے کہ جان بوجھ کر، خواہ تکبر کا ارادہ نہ بھی ہو تو کپڑا ٹخنے سے نیچے لٹکا ہی نہیں سکتے۔

فائدہ نمبر ① : حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مطلق طور پر ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کے بارے میں جو وعید آتی ہے، اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے، جو ضرورت وعذر کے پیشِ نظر لٹکاتا ہے۔مثال طور پر ٹخنے پر زخم ہے۔مکھیاں تکلیف پہنچاتی ہیں۔وہ شلوار یا چادر کے علاوہ کوئی دوسری چیز ڈھانپنے کے لیے نہیں پاتا۔یہ ایسے ہی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی تھی۔'' (فتح الباری : ۲۵۷/۱۰)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح بخاری (۵۸۳۹) اور صحیح مسلم (۲۰۷۶) میں موجود ہے۔

فائدہ نمبر ② : عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ٹخنے ڈھانپ کر رکھیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے تکبر کی وجہ سے کپڑا لٹکایا، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، اے اللہ کے رسول! **فكيف يصنع النّساء بذيولهنّ ؟ قال : ترخينه شبراً ، قال : قالت : إذا تنكشف أقدامهنّ ؟ قال : ترخينه ذراعا ، لا يزدن عليه))**

''عورتیں کپڑے کا دامن کہاں رکھیں گی؟ وہ (نصف پنڈلی سے) ایک (درمیانے ہاتھ کی) بالشت (کُن انگلی اور انگوٹھے کے درمیان فاصلہ کے) لٹکا کر رکھیں۔راوی کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، تب تو ان کے پاؤں ننگے ہو جائیں گے۔اس پر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا، وہ دو بالشت نیچے رکھ سکتی ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔''

(سنن النسائی : ۵۳۳۸، سنن الترمذی : ۱۷۳۱، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وفی الحدیث رخصة للنّساء فی جرّ الإزار ، لأنّه یکون أستر لهنّ .** ''اس حدیث میں عورتوں کے لیے کپڑا گھسیٹنے کی رخصت ہے، کیونکہ ان کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہے۔''

ایک شبہ اور اس کا إزالہ : وہ احادیث جن میں خیلاء (تکبر) کا ذکر نہیں ہے، ان کے عموم کو ان احادیث کے ساتھ خاص کر دیا جائے گا، جن میں خیلاء (تکبر) کا ذکر ہے، یعنی یہ وعید صرف اس شخص کے لیے ہوگی، جو تکبر کی بنا پر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔

خوب یاد رہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے، ورنہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے کپڑا لٹکانے کے بارے میں استفسار کا کیا معنیٰ ؟ بلکہ حدیث سننے کے بعد وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ تکبر کا ارادہ ہو یا نہ ہو، یہ ممانعت عام ہے۔ اس لیے سوال کیا کہ عورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ان کو پاؤں ڈھانپنے کے لیے کپڑا لٹکانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تب تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ وہ اس مسئلہ میں مردوں کے حکم سے خارج ہیں۔ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ٹخنے ڈھانپ کر رکھیں۔ یہ مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ ہے، اس لیے نصف پنڈلی سے ایک بالشت نیچے کپڑا رکھنا مستحب اور دو بالشت جائز ہے۔ اسی طرح مردوں کے ٹخنے سے نیچے تہہ بند، چادر، پائجامہ، شلوار وغیرہ رکھنا ممنوع و حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری کا باعث ہے۔ مرد کے لیے نصف پنڈلی تک کپڑا رکھنا مستحب اور ٹخنے سے اوپر رکھنا جائز ہے۔

فائدہ نمبر ③ : سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

ما قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی الإزار فهو فی القمیص .

''جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند کے بارے میں دیا ہے، وہی قمیص کے بارے میں بھی ہے۔''

(مسند الامام احمد : ۱۱۰/۲، ۱۳۷، سنن ابی داوٗد : ۴۰۹۵، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲۴۴/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

مطلب یہ ہے کہ قمیص باز ینت اور ستر پوش ہو، ضرورت سے زیادہ لمبی اور کھلی ہوگی تو تکبر میں

شامل ہو جائے گی، جو کہ ممنوع اور حرام ہے۔

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **الإسبال فی الإزار والقمیص والعمامة .**

''اسبال تہبند، قمیص اور پگڑی (سب) میں (ممنوع) ہوتا ہے۔'' (سنن ابی داؤد : ٤٠٩٤، سنن النسائی : ٥٣٣٤، سنن ابن ماجه : ٣٥٧٦، وسندهٗ صحیحٌ)

اسبال، ارسال اور ارخاء، یہ تینوں ہم معنیٰ ہیں۔ تہبند، قمیص اور پگڑی سب میں اسبال ہوتا ہے۔ شریعت نے ہر ایک کی حدود مقرر کی ہیں۔ تہبند کے حوالے سے مرد کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے، اسی طرح قمیص کے بارے میں بھی گزر چکا ہے۔

جہاں تک پگڑی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں شریعت کی رہنمائی یہ ہے کہ نہ تو اس کے زیادہ بل ہوں، نہ اس کا کوئی کونہ یا سرا زیادہ لٹکا ہوا ہو۔ اگر ممنوع اسبال کی صورت اختیار کر گئی تو یہ تکبر ہے اور ممنوع ہے۔

۞ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **کان النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا اعتمّ سدل عمامته بین کتفیه .** ''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو اس کا سرا دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔'' (سنن الترمذی : ١٧٣٦، وسندهٗ حسنٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''حسن غریب'' کہا ہے۔

اس کا راوی یحییٰ بن محمد المدنی الجاری ''حسن الحدیث'' ہے۔ امام عجلی، امام ابنِ حبان، یحییٰ بن محمد کے شاگرد یحییٰ بن یوسف الزمی نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیس بحدیثه بأس . ''اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

اس کے دوسرے راوی عبدالعزیز بن محمد الدراوردی بھی جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں۔

۞ سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا کہ آپ نے کالی پگڑی باندھ رکھی تھی، اس کے دونوں کونے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے۔

(صحیح مسلم : ١٣٥٩)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **وعمّمه بعمامة بیضاء ، وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلک ، وقال : هکذا یا ابن عوف اعتمّ ! فإنّه أعرب**

و أحسن .   ''نبیٔ اکرم ﷺ نے ان (سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) کو سفید پگڑی باندھی، چار انگلیوں یا ان کے قریب قریب سرا ان کے پیچھے ڈال دیا اور فرمایا، اے (عبدالرحمٰن) ابنِ عوف! اس طرح پگڑی باندھا کرو، کیونکہ یہ زیادہ واضح اور زیادہ خوبصورت ہے۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٥٤٠/٤، وسندهٔ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

یہ سند اس بات پر واضح دلیل ہے کہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سماع ولقاء ثابت ہے۔ **السنّة** شمارہ نمبر ① صفحہ نمبر ۳۰ پر لکھا گیا تھا کہ ان کا سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے۔ یہ بات مرجوح ہوگئی ہے۔

۞ محمد بن زید العمری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے کالی پگڑی باندھ رکھی تھی، دو بالشت کے برابر اس کا سرا پیچھے ڈالا ہوا تھا۔''

(مصنف ابن ابی شيبة : ٤٢٢/٨، وسندهٔ صحيحٌ)

فائدہ نمبر ④ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا، جاؤ وضو کرو۔ وہ گیا اور وضو کیا، پھر (ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکاتا ہوا) آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ اور وضو کرو۔ وہ دوبارہ گیا، وضو کیا، پھر آیا تو ایک آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ آپ نے ایک باوضو انسان کو وضو کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ شلوار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ شلوار لٹکانے والے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے۔'' (مسند الامام احمد : ٦٨/٤، سنن ابی داوٗد : ٦٣٨، ٤٠٨٦، السنن الكبرٰی للنسائی : ٩٧٠٣، السنن الكبرٰی للبيهقی : ٢٤١/٢، وسندهٔ حسنٌ ، ابو جعفر المدنی المؤذن حسن الحديث ، حسن الترمذی حديثه (٣٤٤٨) وصححه ابن حبان (٢٦٩٩) ، وهذا توثيق منهما ، وروی عنه يحيی بن ابی كثير وقال الامام ابو حاتم الرازی : يحيی بن ابی كثير امام لا يحدث إلا عن ثقة (الجرح والتعديل : ١٤٢/٩) ، قال الحافظ النووی (رياض الصالحين : ٧٩٥) : رواه ابو داوٗد بإسناد صحيح علی شرط مسلم ، ووافقه الذهبی (الكبائر ص ١٧٩) ، وقال الحافظ الهيثمی (مجمع الزوائد : ١٢٥/٥) : رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح)

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں فرماتے۔ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ وضو اور نماز لوٹائے۔

صاحب المنہل العذب المورود (۱۲۳/۵) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''ضعیف'' ہے، بالفرض ثابت ہو بھی جائے تو یہ منسوخ ہے، کیونکہ اس کے خلاف اجماع واقع ہو گیا ہے۔

لیکن ان کا اس حدیث کو ''ضعیف'' کہنا صحیح نہیں ہے، ہم نے اس کی سند کا ''حسن'' ہونا بطریقِ احسن واضح کر دیا ہے، نیز اس کی منسوخیت کا دعویٰ بے دلیل ہے۔ ہم اس اجماع سے واقف نہیں ہو سکے، جو اس کے خلاف ہوا ہے، بلکہ اس موہوم اجماع کے خلاف ثابت ہے، جیسا کہ:

مجاہد بن جبر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **كان يقال : من مسّ إزاره كعبه لم تقبل له صلاة ، قال : وقال ذرّ : من مسّ إزاره الأرض لم تقبل له صلاة .**

''کہا جاتا تھا کہ جس کا تہبند ٹخنے کو چھو جائے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، (حصین بن عبدالرحمٰن السلمی تابعی رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ ذر (بن عبداللہ الہمدانی) نے کہا، جس کا تہبند زمین کو چھوئے، اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۸۸/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

لہٰذا اجماع کا یہ دعویٰ باطل ہوا۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: **ووجه هذا الحديث ـ والله أعلم ـ أنّ إسبال الإزار معصية ، وكلّ من واقع معصية ، فإنّه يؤمر بالوضوء والصّلاة ، فإنّ الوضوء يطفيء حريق المعصية .** ''اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا معصیت ہے، جو بھی کسی معصیت میں مبتلا ہو گا، اسے وضو اور نماز کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ وضو معصیت (نافرمانی) کی آگ کو بجھاتا ہے۔'' (التہذیب علی سنن ابی داؤد : ۵۰/٦)

علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لعلّ السّرّ في أمره بالتّوضّيء ، وهو طاهر ، أن يتفكّر الرّجل في سبب ذلك الأمر ، فيقف على ما ارتكبه من شنعاء ، وأنّ الله تعالىٰ ببركة أمر رسول الله صلّى الله عليه وسلّم طهارة الظّاهر ، يطهّر باطنه من التّكبّر والخيلاء ، لأنّ طهارة الظّاهر مؤثّرة في طهارة الباطن .**

''باوضو انسان کو وضو کا حکم دینے میں شاید یہ حکمت پنہاں ہو کہ (دوبارہ وضو کرنے کے بارے

میں) حکم میں وہ غور وفکر کرے، جس بُری حرکت کا وہ مرتکب ہو رہا ہے، اس پر خبردار ہو جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ظاہری طہارت کے حکم (کی تعمیل) کی برکت سے اس کے باطن کو تکبر اور افتخار وعُجب سے پاک کر دے گا، کیونکہ ظاہری طہارت باطنی طہارت پر اثر انداز ہوتی ہے۔''

(شرح الطيبى : ٢/٢٦٨)

علامہ ابن العربی المالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **إنّ الصّلاة حال تواضع وإسبال الإزار فعل متكبّر ، فتعارضا ، وأمره له بإعادة الوضوء أدب له وتأكيد عليه ، ولأنّ المصلّى يناجى ربّه ، واللّٰه لا ينظر إلى من جرّ إزاره ، ولا يكلّمه ، فكذلك لم يقبل صلاته .**

''نماز تواضع کی حالت ہوتی ہے، جبکہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا متکبر آدمی کا کام ہے، یہ دونوں کام باہم متعارض ہیں۔ اس شخص کو وضو لوٹانے کا حکم اسے ادب سکھانے اور تاکید کرنے کا سبب ہے، کیونکہ نمازی اپنے رب سے مناجات (سرگوشیاں) کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کپڑا گھسیٹنے والے شخص کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی اس سے کلام کریں گے، اسی لیے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''(عارضة الاحوذى : ٧/٢٣٨)

اس بات کی تاکید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

⑯ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنّ اللّٰه عزّ وجلّ لا ينظر إلى مسبل الإزار . ''یقیناً اللہ تعالیٰ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے والے کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتے۔''(مسند الامام احمد : ١/٣٢٢، سنن النسائى : ٥٣٣٥، مصنف ابن ابى شيبة : ٨/٣٨٨، وسندهٗ صحيحٌ)

حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **من أسبل إزاره فى صلاته خيلاء ، فليس من اللّٰه فى حلّ ولا حرام .**

''جس نے تکبر کی وجہ سے نماز میں کپڑا لٹکایا، اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی سروکار نہیں (یا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کو حلال کریں گے نہ دوزخ کو حرام)۔''(سنن ابى داوٗد : ٦٣٧، السنن الكبرٰى للنسائى : ٩٦٨٠، وسندهٗ حسنٌ)

اگر کوئی کہے کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر تکبر کا ارادہ نہ ہوتو نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفہومِ مخالف تب ہوگا، جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ یہاں تو نص موجود ہے کہ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا ہی تکبر ہے، لہٰذا جو بھی جان بوجھ کر کپڑا لٹکائے گا، وہ اس زمرہ میں آئے گا، خواہ تکبر کا ارادہ نہ بھی ہو۔

الحاصل : وہ احادیث جن میں خیلاء (تکبر کی وجہ سے) کپڑا لٹکانے کا ذکر ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر جو بھی کپڑا لٹکائے گا، کیونکہ بھول کر لٹک جانے سے تکبر ہوتا ہی نہیں۔ اور جان بوجھ کر کپڑا لٹکانا خود تکبر ہے، جیسا کہ حدیث سے واضح کیا جا چکا ہے۔

مرد کے لیے ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانا ممنوع و حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

✿ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستّة لعنتهم ولعنهم الله .... والتّارك لسنّتي .

''چھ شخص ایسے ہیں، جن پر میں نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے۔۔۔ (ان میں سے ایک) وہ شخص ہے، جو میری سنت کو چھوڑتا ہے۔'' (سنن الترمذی : ٢١٥٤، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (٥٧٤٩) اور امام حاکم رحمہ اللہ (٥٢٥/٢) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی الموال کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثقة مشهور . ''یہ مشہور ثقہ راوی ہے۔'' (المغنی للذھبی : ٦١٤/٢)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من ثقات المدنيين .** ''یہ ثقہ مدنی راویوں میں سے ہے۔'' (فتح الباری لابن حجر : ١٨٣/١١)

اس کا دوسرا راوی عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن موہب ''مختلف فیہ'' ہے۔ راجح یہی ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں سنت سے مراد واجبی اور فرضی سنتیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ڈاڑھی رکھنا، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وغیرہ مراد ہیں۔ اب جو بھی شخص جان بوجھ کر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا، اس فرمانِ نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی لعنت سے دُور رکھے اور اپنی رحمت کا مستحق بنائے! آمین

رقص جاہل و بے عقل اور بے دین صوفیوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ یہ بالا جماع ممنوع ہے۔ سلف صالحین وائمہ دین میں سے کوئی اس کا قائل وفاعل نہیں رہا، البتہ اہل علم سے اس کی مذمت اور ممانعت ضرور ثابت ہے۔

۞ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے (م۸۵۵ھ) نے صوفیوں کی کارستانیوں کے ذکر ورد میں کیا خوب کہا ہے: **ولا اعتبار لما أبدعته الجهلة من الصّوفية فى ذلک (أى الغناء وغيره) ، فإنّک إذا تحقّقت أقوالهم فى ذلک ورأيت أفعالهم وقفت على آثار الزنادقة منهم .** ''اور (غناء وغیرہ کے نام پر) جاہل صوفیوں نے جو بدعات نکال لی ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ آپ جب اس بارے میں ان کے اقوال کی تفتیش کریں گے اور ان کے افعال کو دیکھیں گے تو ان میں بے دین وزندیق لوگوں کی علامات پائیں گے۔''

(عمدة القارى : ٤٠١/٢١)

رقص غیر شرعی رسم ہے، جو دین کے نام پر جاری کر دی گئی ہے، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (م۵۹۷ھ) لکھتے ہیں: **وقد انعقد اجتماع العلماء أنّ من ادّعى الرّقص قربه إلى اللّٰه تعالىٰ فقد كفر .** ''اس بات پر علمائے کرام کا اتفاق واجماع واقع ہو چکا ہے کہ جو شخص رقص کو قربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دے، وہ کافر ہے۔''

(صيد الخاطر لابن الجوزى : ص ١٥٤)

علامہ احمد طحطاوی حنفی (م۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں: **وأمّا الرّقص والتّصفيق والصّريخ وضرب الأوتار والصّنج والبوق الّذى يفعله بعض من يدّعى التّصوّف ، فإنّه حرام بالإجماع ، لأنّها زىّ الكفّار .** ''رہا رقص کرنا، تالیاں پیٹنا، شور شرابا، ہارمونیم بجانا، چیخ وپکار اور بگل بجانا، جو کہ صوفیت کے بعض دعویداروں کا معمول ہے، یہ بالا جماع حرام ہے،

کیونکہ یہ کفار کا طور طریقہ ہے۔'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷٤، صفۃ الاذکار)

حصکفی حنفی لکھتے ہیں: **من یستحلّ الرّقص قالوا بکفرہ ، ولا سیّما بالدّفّ یلھو ویزمر .** ''جو رقص کو حلال سمجھتا ہے، وہ ان (علمائے کرام) کے بقول کافر ہے، خصوصاً جو ساتھ ساتھ کھیل تماشا کرتا اور ساز بجاتا ہے۔'' (الدر المختار : ٤/٤٤٦)

اس قول کی تشریح میں ابنِ عابدین شامی حنفی (۱۱۹۸۔۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

والمراد بہ التّمایل والخفض والرّفع بحرکات موزونۃ کما یفعلہ بعض من ینتسب إلی التّصوّف ، وقد نقل فی البزازیۃ من القرطبیّ إجماع الأئمّۃ علی حرمۃ الغناء وضرب القضیب والرّقص . ''اس (رقص) سے مراد جھومنا اور موزون حرکات کے ساتھ نیچے اوپر ہونا ہے، جیسا کہ بعض وہ لوگ کرتے ہیں، جو تصوف کا دم بھرتے ہیں۔ بزازیہ میں علامہ قرطبی سے غناء، ڈھول پیٹنے اور رقص کرنے کی حرمت پر ائمہ کا اجماع واتفاق نقل کیا گیا ہے۔''

(فتاوی شامی : ٤/٤٤٦)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: **استدلّ العلماء بھذہ الآیۃ علی ذمّ الرّقص وتعاطیہ ، قال الإمام أبو الوفاء ابن عقیل : قد نصّ القرآن علی النّھی عن الرّقص ، فقال : ﴿ وَلَا تَمْشِ فِی الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ وذمّ المختال والرّقص أشدّ المرح والبطر .** ''اس آیتِ کریمہ سے علمائے کرام نے رقص اور اس میں انہماک کی مذمت پر استدلال کیا ہے۔ امام ابوالوفاء ابنِ عقیل کا فرمان ہے کہ قرآنِ کریم نے رقص کی ممانعت پر نص قائم کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِی الْأَرْضِ مَرَحًا ﴾ (اور زمین پر اکڑ کر مت چلو)، جھومنا (ناچنا) اور رقص کرنا تکبر وغرور سے بھی (گناہ میں) سخت ہے۔'' (تفسیر القرطبی : ۱۰/۲۶۳)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (لقمان : ۳۱/۶)

''اور کچھ لوگ بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے مذاق بنائیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

رقص لہو الحدیث ہے، لہٰذا ممنوع و حرام ہے۔

اس کے باوجود بعض گمراہ صوفی اس بدعتِ قبیحہ اور شنیعہ کو شرعی دلائل سے کشید کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں، جیسا کہ:

دلیل نمبر ① : سیدنا ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ (صٓ : ٤٢/٣٨)

''(ہم نے حکم دیا اے ایوب!) اپنا پاؤں ماریں، (دیکھو) یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کو (میٹھا پانی ہے)۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **استدلّ بعض الجهّال المتزهّدة وطغام المتصوّفة بقوله تعالىٰ لأيّوب : ﴿ أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ﴾ علىٰ جواز الرّقص ...**

''بعض زہد و تقویٰ کی ملمع سازی کرنے والے جاہلوں اور صوفی ازم کا نعرہ بلند کرنے والے کمینے لوگوں نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو جاری کیے گئے فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ﴾ (صٓ : ٤٢/٣٨) سے رقص کے جواز پر استدلال کیا ہے۔'' (تفسیر القرطبی : ٢١٥/١٥)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ گمراہ صوفیوں کے ردّ و جواب میں لکھتے ہیں:

وهذا الاحتجاج بارد ، لأنّه لو كان أمر بضرب الرّجل فرحا كان لهم فيه شبهة ، وإنّما أمر بضرب الرّجل لينبع الماء ، قال ابن عقيل : أين الدّلالة فى مبتلى أمر عند كشف البلاء بأن يضرب برجله الأرض لينبع الماء إعجازا من الرّقص ، ولئن جاز أن يكون تحريك رجل قد أنحلها تحكم الهوام دلالة على جواز الرّقص فى الإسلام جاز أن يجعل قوله تعالىٰ لموسىٰ : ﴿ اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ دلالة على ضرب الجماد بالقضبان ، نعوذ باللّٰه من التّلاعب بالشّرع .

''یہ استدلال بالکل بودا ہے، کیونکہ اگر پاؤں مارنے کا حکم خوشی کے لیے دیا گیا ہوتا تو ان کے لیے اس استدلال کی کوئی گنجائش ہوتی، سیدنا ایوب علیہ السلام کو تو اس لیے پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا تھا کہ پانی پھوٹ پڑے۔ ابنِ عقیل کہتے ہیں کہ ایک بیمار آدمی، جسے بیماری سے نجات پانے کے لیے معجزہ کے طور پر پانی نکالنے کے لیے زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا، اس سے رقص کی دلیل کہاں سے آ گئی؟

اگر کیڑوں کے کھائے ہوئے (سیدنا ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑوں کا پڑنا بے ثبوت بات ہے۔ غ۔م) پاؤں کو حرکت دینے سے اسلام میں رقص کی دلیل لینا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پتھر پر عصا مارنے کے حکم کو جمادات کو ڈنڈے سے پیٹنے کی دلیل بنانا بھی جائز ہونا چاہیے۔ شریعت کو کھیل تماشا بنانے سے اللہ کی پناہ!'' (تلبیس ابلیس لابن الجوزی: ۲۳۰/۱)

دلیل نمبر ②: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

وكان يوم عيد يلعب فيه السُّودان بالدّرق والحراب ، فإمّا سألت رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم وإمّا قال : أتشتهين تنظرين ؟ قلت : نعم ! فأقامني ورائه ، خدّي على خدّه ، وهو يقول : دونكم يا بني أرفدة ، حتّى إذا مللت ، قال : حسبك ، قلت : نعم ! قال : فاذهبي . ''عید کا دن تھا، حبشی لوگ ڈھالوں اور نیزوں کے ساتھ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے۔ یا تو میں نے سوال کیا تھا یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا، کیا آپ دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟ میں نے عرض کی، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا، میرا رخسار آپ کے رخسارِ مبارک کے اوپر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، کھیلتے رہو، اے بنی ارفدہ! جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بس؟ میں نے عرض کی، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا جاؤ۔''

(صحیح بخاری: ۹۵۰، صحیح مسلم: ۲۰/۸۹۲)

صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **جاء حبش يزفنون في يوم عيد في المسجد .** ''ایک بار عید کے دن حبشی لوگ آ کر مسجد میں جنگی مشقیں کرنے لگے۔''

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کی روایت ہے: **كانت الحبشة يزفنون بين يدى رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم ويرقصون ويقولون : محمّد عبد صالح ، فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : ما يقولون ؟ قالوا : يقولون : محمّد عبد صالح .**

''حبشی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنگی مشقیں کر رہے تھے اور رقص کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیک آدمی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، یہ کیا کہتے ہیں؟ صحابہ نے بتایا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیک آدمی ہیں۔''

(مسند الامام احمد: ۱۵۲/۳، وسندہٗ صحیح وصححہ ابن حبان: ۵۸۷۰)

صحیح ابن حبان میں الفاظ ہیں: ویتکلّمون بکلام لا یفهمه .
''وہ ایسی کلام کر رہے تھے، جسے آپ ﷺ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔''

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے: وهم یلعبون ویرقصون .
''وہ کھیل رہے تھے اور ناچ رہے تھے۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی : ۱۱۳۵۹)

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ: ① امام طبرانی رحمہ اللہ کے شیخ ہاشم بن مرثد کی توثیق ثابت نہیں۔ ② قرظہ راوی ''مجہول'' اور غیر معروف ہے۔ اس کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ (المیزان : ۳۸۷/۳) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التقریب : ۵۵۳۵) نے **لا یُعرف** (غیر معروف) کہا ہے، لہٰذا سند سخت ''ضعیف'' ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: **واستدلّ قوم من الصّوفية بحديث الباب على جواز الرّقص وسماع آلات الملاهي ، وطعن فيه الجمهور باختلاف المقصدين ، فإنّ لعب الحبشة بحرابهم كان للتّمرين على الحرب ، فلا يحتجّ به للرّقص في اللّهو .** ''صوفیوں کے ایک گروہ نے اس حدیث سے رقص اور آلاتِ موسیقی کے سماع پر استدلال کیا ہے۔ جمہور علمائے کرام نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے دونوں مقصد مختلف ہیں، کیونکہ حبشی لوگ تو جنگی مشق کے لیے نیزوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، لہٰذا اس سے لہو ولعب میں رقص کرنے پر کوئی دلیل نہیں لی جا سکتی۔'' (فتح الباری لابن حجر : ۵۵۳/۶)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں: **زفن الحبشة نوع من المشي ، يفعل عند اللّقاء للحرب .** ''حبشی لوگوں کے رقص سے مراد ایک قسم کی چال ہے، جو جنگ میں دشمن سے ملاقات کے وقت چلی جاتی ہے۔'' (تلبیس ابلیس لابن الجوزی : ۲۳۰/۱)

❁ یہی بات علامہ قرطبی مفسر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی : ۲۱۵/۱۵)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ **یزفنون** کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معناه يرقصون ، وحمله العلماء على التّوثّب بسلاحهم ولعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الرّقص ، لأنّ معظم الرّوايات إنّما فيها لعبهم بحرابهم ، فتتأوّل هذه اللّفظة على موافقة سائر الرّوايات . ''اس کا معنیٰ رقص کرنا ہے، علمائے کرام نے اس سے

مراد اسلحہ کے ساتھ ان کا اچھلنا کودنا اور نیزوں کے ساتھ ان کا کھیلنا مراد لیا ہے، جو کہ رقص کی کیفیت سے قریب قریب ہوتا ہے۔ چونکہ اکثر روایات میں ان کے نیزوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے، لہٰذا اس لفظ کی باقی روایات کے مطابق ہی تفسیر کی جائے گی۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی : ۱۸۶/۶)

۞ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **بینما الحبشة یلعبون عند رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بحرابهم إذ دخل عمر بن الخطّاب ، فأهوٰی إلی الحصباء یحصبهم بها ، فقال له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : یا عمر ! دعهم .**

''اس دوران کہ حبشی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے نیزوں کے ساتھ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے کہ اچانک سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور وہ کنکریوں کی طرف جھکے کہ ان کو ماریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔''

(مسند الامام احمد : ۳۰۸/۲، صحیح بخاری : ۲۹۰۱، صحیح مسلم : ۸۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حبشی لوگ عید کے دن، یعنی خوشی کے موقع پر جنگی مشقوں میں مصروف تھے۔ وہ یہ کام نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و اکرام میں نہیں کر رہے تھے۔ تب ہی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو ڈانٹنے لگے تھے اور کنکریاں مارنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے پر آپ رضی اللہ عنہ رک گئے۔ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم والا کام تھا تو کیا (نعوذ باللہ!) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گستاخِ رسول تھے کہ ان کو یہ کام پسند نہ آیا اور اس کو روکنے کے درپے ہو گئے تھے؟

بعض لوگ جہالت اور غلو کی بنیاد پر اس اقدام کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں رقص قرار دیتے ہیں، جبکہ محدثین کرام اس کو جنگی مشق قرار دے رہے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں یہ مشقیں دیکھ رہی تھی، یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا اور میں خود ہی وہاں سے چلی گئی۔ (مسند الامام احمد : ۳۳/۶، صحیح بخاری : ۹۴۹، صحیح مسلم : ۸۹۲)

❁ حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (۵۷۸۔۶۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وأمّا لعب الحبشة فی المسجد ، فکان لعبا بالحراب والدّرق تواثبا ورقصا بهما ، وهو من باب التّدریب علی الحرب والتّمرین والتّنشیط علیه ، وهو من قبیل المندوب ، ولذلک أباحه النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی المسجد .

''رہا حبشی لوگوں کا مسجد میں کھیلنا تو یہ نیزوں اور ڈھالوں کے ساتھ اچھل کود تھی ۔ یہ جنگی تربیت، ٹریننگ اور مشق تھی ۔ یہ مستحب کاموں میں سے ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اس کی اجازت دی تھی ۔''(المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي : كتاب الجمعة ، باب ما يقرأ به في صلاة العيدين)

حاصل یہ ہے کہ جنگی مشق کے دوران ایک مخصوص حرکت اور انداز کو رقص سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ محدثین کرام کی تصریحات سے معلوم ہوا ہے۔

دلیل نمبر ② : سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أتينا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أنا وجعفر وزيد ، فقال لزيد : أنت أخونا ومولانا ، فحجل ، وقال لجعفر : أشبهت خَلْقي وخُلُقي ، فحجل وراء حجل زيد ، ثمّ قال لي : أنت منّي وأنا منك ، فحجلت وراء حجل جعفر .

''میں، جعفر (بن ابی طالب) اور زید (بن حارثہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ۔ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آپ ہمارے بھائی اور دوست ہیں، وہ ناچے ۔ آپ ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آپ شکل وصورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہیں تو وہ زید کے ناچنے کے پیچھے ناچے، پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا، آپ مجھ سے اور میں آپ سے ہوں، اس پر میں جعفر رضی اللہ عنہ کے ناچنے کے پیچھے ناچا۔''(مسند الامام احمد : ۱۰۸/۱، السنن الكبرٰى للبيهقي : ۶/۸، ۲۲۶/۱۰)

تبصرہ : اس کی تین سندیں ہیں، ایک مسند احمد میں اور دو بیہقی میں، لیکن یہ سب کی سب ''ضعیف'' ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ والی سند ابواسحاق السبیعی کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی دو سندیں پیش کی ہیں ۔ پہلی سند (۵/۸۔۶) میں اگرچہ ابواسحاق السبیعی نے سماع کی تصریح کی ہے، مگر اس سند کا ایک راوی عبداللہ بن محمد (بن سعید) بن ابی مریم سخت ''ضعیف'' ہے۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **عبد اللّٰه بن محمّد بن سعيد بن أبي مريم مصريّ ، يحدّث عن الفريابيّ وغيره بالبواطيل ...**

''عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم مصری ہے۔ یہ فریابی وغیرہ سے باطل روایات بیان کرتا ہے۔''

نیز لکھتے ہیں: **وعبد اللّٰه بن محمّد بن سعيد بن أبي مريم هذا إمّا أن يكون مغفّلا لا يدري ما يخرج من رأسه أو يتعمّد ، فإنّي رأيت له غير حديث ممّا لم أذكره أيضا هاهنا غير محفوظ .** ''یہ عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم راوی یا تو اتنا غیر حاضر دماغ تھا کہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے سر سے کیا نکل رہا ہے یا پھر یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا تھا، کیونکہ میں نے جو احادیث یہاں ذکر نہیں کیں، ان میں بھی اس کی کئی غیر محفوظ احادیث دیکھی ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : ٢٥٥/٤)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهو ضعيف جدّا .** ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔''(مجمع الزوائد : ٣٨٩/٢)

اس میں دوسری علت یہ ہے کہ ابواسحاق السبیعی ''مختلط'' ہیں، ان سے بیان کرنے والے راوی زکریا بن ابی زائدہ ہیں، جو کہ ان سے اختلاط کے بعد بیان کرتے ہیں۔

اور دوسری سند (٢٦٦/١٠) میں ان سے اختلاط سے پہلے بیان کرنے والے راوی اسرائیل بن یونس بیان کرتے ہیں، لیکن وہاں ابواسحاق ''عن'' سے بیان کررہے ہیں اور وہ ''مدلس'' بھی ہیں، لہٰذا یہ واقعہ تمام سندوں سے مردود ہے۔ **والحمد لله !**

حافظ بیہقی رحمہ اللہ (م۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: **وفي هذا إن صحّ دلالة على جواز الحجل ، وهو أن يرفع رجلا ويقفز على الأخرى من الفرح ، فالرّقص الّذي يكون على مثاله يكون مثله في الجواز .** ''اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں حجل کی اجازت ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی خوشی سے ایک ٹانگ اٹھائے اور دوسری پر ناچے، چنانچہ جو رقص اس طرح کا ہوگا، وہ جواز میں اسی کی طرح ہوگا۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي : ٢٢٦/١٠)

جب یہ روایت ہی بلحاظِ سند ثابت نہیں ہو سکی تو اس کی دلالت بھی خود بخود ختم ہو گئی۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ بھی اسے صحیح نہ سمجھتے تھے، ورنہ تردّد کا اظہار نہ کرتے۔

دلیل نمبر ④ : محمد بن علی بن الحسین الباقر رحمہ اللہ (۵۶۔۱۱۸ھ) فرماتے ہیں:

إنّ ابنة حمزة لتطوف بين الرّجال إذ أخذ عليّ بيدها ، فألقاها إلى فاطمة في هودجها ، قال : فاختصم فيها عليّ وجعفر وزيد بن حارثة ، حتّى ارتفعت أصواتهم ،

فأيقظوا النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم من نومه ، قال : هلمّوا ، أقض بينكم فيها وفى غيرها ، فقال عليّ : ابنة عمّى ، وأنا أخرجتها ، وأنا أحقّ بها ، وقال : جعفر : ابنة عمّى وخالتها عندى ، وقال زيد : ابنة أخى ، فقال فى كلّ واحد قولا رضيه ، فقضى بها لجعفر وقال : الخالة الوالدة ، فقام جعفر ، فحجل حول النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، دار عليه ، فقال النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ما هذا ؟ قال : شيء رأيت الحبشة يصنعونه بملوكهم .

''حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی مردوں کے درمیان گھوم رہی تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہودج میں ڈال دیا۔ پھر اس کے بارے میں سیدنا علی، جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم جھگڑ پڑے، یہاں تک کہ ان کی آوازیں اونچی ہو گئیں اور انہوں نے (اپنے شور سے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آؤ میں تمہارے درمیان اس بارے میں اور دوسرے معاملات میں فیصلہ کروں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یہ میری چچا زاد ہے اور میں نے اسے ساتھ لیا ہے اور میں ہی اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، یہ میری چچا زاد ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یہ میری بھتیجی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے لیے ایسی بات کہی، جس نے ان سب کو راضی کر دیا، پھر فیصلہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں کر کے فرمایا، خالہ والدہ ہی ہے۔ اس پر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ناچنے لگے اور چکر لگانے لگے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا، یہ کیا ہے؟ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یہ ایسا کام ہے، جو میں نے حبشی لوگوں کو اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے دیکھا تھا۔''

(طبقات ابن سعد : ٣٥/٤-٣٦، مصنف ابن ابی شیبۃ : ١٧٠/١٠، مختصراً)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ تابعی ہیں اور وہ ڈائریکٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ روایت ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

② حفص بن غیاث ''مدلس'' ہیں۔ ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ اس میں سماع کی تصریح نہیں ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : **قال محمّد بن عمر الواقدىّ : حدّثنى ابن أبى**

حبيبة عن داوٗد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عبّاس ، قال : فلمّا قضىٰ بها لجعفر قام جعفر ، فحجل حول رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ما هذا يا جعفر ! قال : يا رسول اللّٰه ! كان النّجاشيّ إذا أرضىٰ أحدًا قام ، فحجل حوله . ''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ کی بیٹی کا فیصلہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا تو وہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ناچنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے جعفر! یہ کیا؟ عرض کی، اے اللہ کے رسول! نجاشی جب کسی کو خوش کرتا تو وہ شخص کھڑا ہوتا اور نجاشی کے گرد ناچتا (اسی لیے میں نے ایسا کیا ہے)۔''

(المغازی لمحمد بن عمر الواقدی : ۷۳۸/۲، تاریخ دمشق لابن عساکر : ۳۶۱/۱۹، کنز العمال : ۱٤۰۳۳)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی جمہور کے نزدیک ''ضعیف، متروک اور کذاب'' ہے۔

حافظ ابنِ ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وقد ضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہوا ہے۔'' (البدر المنیر لابن الملقن : ۳۲٤/۵)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' کہا ہے۔ (تقریب التهذیب : ٦١٧٥)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كتب الوقديّ كذب .** ''واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندا ہیں۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۱/۸، وسندہٗ صحیح)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لأنّه عندي ممن يضع الحديث .** ''میرے نزدیک یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ۲۱/۸)

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔ (الکامل لابن عدی : ۲٤۱/٦، وسندہٗ حسن)

امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام نسائی اور امام عقیلی رحمہم اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' کہا ہے، امام یحییٰ بن معین اور جمہور نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يروي أحاديث غير محفوظة والبلاء منه ، ومتون أخبار الواقديّ غير محفوظة ، وهو بيّن الضّعف .** ''یہ غیر محفوظ احادیث

بیان کرتا ہے اور یہ مصیبت اسی کی طرف سے ہے، واقدی کی احادیث کے متون غیر محفوظ ہیں، وہ واضح ضعیف راوی ہے۔''(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۲۴۳/۶)

② داؤد بن الحصین کی عکرمہ سے روایت کے متعلق امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما روی عن عکرمة فمنکر الحدیث . ''جو احادیث یہ عکرمہ سے بیان کرتا ہے، ان میں منکر الحدیث ہوتا ہے۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۴۰۹/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وأمّا الحجل فھو نوع من المشی یفعل عند الفرح ، فأین ھو من الرّقص ؟** ''حجل ایک قسم کی چال ہے، جو خوشی کے وقت چلی جاتی ہے، اس کا رقص سے کیا تعلق؟''(تلبیس ابلیس لابن الجوزی : ۲۳۰/۱)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''جب سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا۔ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ناچنے لگے، یعنی اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں ایک ٹانگ پر چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔''

(دلائل النبوة للبیہقی : ۲٤٦/٤، ح : ۱٥٩٦)

تبصرہ : یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ:

① امام بیہقی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **فی إسنادہ إلی الثّوریّ من لا یعرف .** ''اس حدیث کی سفیان ثوری کی طرف سند میں ایک مجہول راوی ہے۔''

② امام سفیان ثوری ''مدلس'' ہیں اور سماع کی صراحت نہیں کی۔

③ ابوالزبیر بھی ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، جو کہ ''مدلس'' سے بخاری و مسلم کے علاوہ قبول نہیں ہوتا۔

نوٹ : بنت حمزہ کا واقعہ صحیح بخاری (۲٦۹۹ وغیرہ) میں بھی موجود ہے، لیکن وہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناچنے کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا ان روایات پر ضعف کا جو حکم لگایا گیا ہے، وہ ناچ والے سیاق کے متعلق ہے۔

الحاصل : رقص ممنوع و حرام ہے، اس کے جواز پر کوئی دلیلِ شرعی نہیں ہے۔
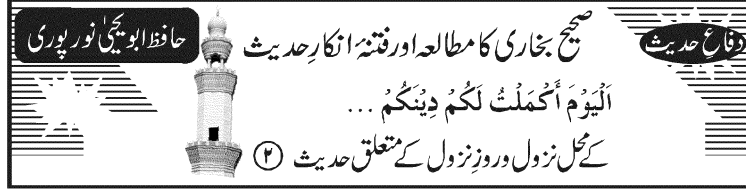
عقلی اعتراضات

اعتراض نمبر ① : ''پھر ابوالعمیس اور مسعر کی روایت بتاتی ہے کہ حضرت عمر سے یہ بات کہنے والا ایک یہودی تھا اور ثوری کی روایت میں ہے کہ متعدد یہودی لوگ تھے۔ ادریس بن یزید کی روایت میں بھی بصیغۂ جمع یہود کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف قیس بن مسلم کی جہت سے ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ دراصل طارق نے کیا ذکر کیا تھا، ایک یہودی کا یا چند یہودیوں کا؟ قیس نے کبھی کچھ کہہ دیا، کبھی کچھ۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۵۵/۱)

جواب : قارئین کرام! جب اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے اور میرٹھی صاحب کے اس پر کیے گئے تمام اصولی اعتراضات کو ہم نے ان کی بے اصولی ثابت کر دیا ہے تو اب اس پر عقلی اعتراضات کچھ حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ قرآنِ کریم، جس کی صحت میں کسی مسلمان کو ادنیٰ سا بھی شبہ نہیں، عقلی اعتراضات تو اس میں بھی منکرین نے کر دیئے ہیں اور کتنے ہی مقامات پر انہوں نے بزعمِ خود قرآنِ کریم میں تناقض اور اختلاف ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآنِ مجید کی صحت میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہو سکا۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

روزِ قیامت کے بارے میں قرآنِ کریم نے ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ (السجدة : ٥/٣٢) یعنی اس کی مقدار ایک ہزار سال ہوگی، جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج : ٤/٧٠)، یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔

جس طرح شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے حدیثِ نبوی پر اعتراض کیا ہے، اگر بعینہٖ یہ اعتراض کوئی منکرِ قرآن، قرآنِ کریم پر کر دے اور کہہ دے کہ: (نقلِ کفر، کفر نہ باشد!)

''سورۂ سجدہ بتاتی ہے کہ روزِ قیامت کی مقدار ہزار سال ہوگی، جبکہ سورۂ معارج میں پچاس ہزار

سال کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف صحابہ کرام کی جہت سے ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ دراصل رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا وحی آئی تھی، ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال؟ صحابہ کرام نے کبھی کچھ کہہ دیا، کبھی کچھ۔۔۔'' تو اس کفریہ اعتراض کا میرٹھی کمپنی کے پاس کیا جواب ہوگا؟ اگر وہ یہاں جمع وتطبیق کی کوئی صورت نکالیں گے تو حدیث میں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے؟ نبیٔ اکرم ﷺ تو دینی معاملات میں اپنی خواہش سے بولتے ہی نہ تھے۔(النجم : ۵۳/۳۔۴)

قارئین کرام اللہ کے لیے غور کریں اور بتائیں کہ کیا قرآنِ پاک پر اس بے وقوفانہ اعتراض سے اس کتابِ ذی شان کی صحت میں ذرا برابر بھی کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے؟ یقیناً ہر مسلمان کا جواب ہاں میں ہوگا! پھر خود ہی غور کر لیں کہ حدیث پر اس طرح کے اعتراضات کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

سیدھی سی بات ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات تو ایک ہی یہودی نے کی تھی، لیکن اس ایک یہودی کی یہ بات سب یہود کی نمائندگی تھی، یعنی اس نے تمام یہود کی طرف سے یہ بات پیش کی تھی اور ادنیٰ سا شعور رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ کسی قوم کا نمائندہ اگر کوئی بات کرتا ہے تو وہ ساری قوم کی بات شمار ہوتی ہے اور اسے پوری قوم کی بات قرار دیا جاتا ہے۔

اتنی سی بات بھی جس آدمی کی عقل میں نہیں سما سکی، وہ لگا ہے پوری امت کے اتفاقی فیصلے صحیح بخاری پر اعتراض کرنے!!!

اعتراض نمبر ② : ''رہا اس حدیث کا مضمون، جسے طارق بن شہاب وقبیصہ بن ذؤیب اور محمد بن کعب القرظی نے حضرت عمر اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر اور عمار بن ابی عمار نے حضرت ابنِ عباس اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر نقل کیا ہے تو یہ سراسر باطل اور اس المناک حقیقت کی دلیل ہے کہ ان راویوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کو اس کے سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ کرنے اور اس آیت کو سمجھنے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا، جس میں یہ ارشاد مذکور ہے۔

یہ ارشاد کوئی مستقل آیت نہیں ہے، بلکہ ایک آیت کے درمیان کا ٹکڑا ہے۔۔۔سورۂ مائدہ کے نزول کا آغاز سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء سے پہلے ہوا تھا۔ اس کے آغاز میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ان معاہدوں کو وفا کرنے کا حکم دیا ہے، جو حضورِ اکرم ﷺ نے مختلف قبائل عرب سے کیے تھے،

خصوصاً ناجنگی کا وہ دس سالہ معاہدہ، جو سن ٦ ہجری میں بمقامِ حدیبیہ مشرکین مکہ سے ان ہی کی پیش کردہ شرائط پر منعقد فرمایا تھا۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ فتحِ خیبر کے بعد بحمد اللہ مسلمانوں کو زبردست قوت وشوکت حاصل ہو چکی تھی اور ممکن تھا کہ اس قوت وشوکت کے پیشِ نظر مسلمانوں کو یہ خیال ہونے لگے کہ وہ معاہدے اس وقت کے ہیں، جب ہم اتنے قوی وزورآور نہ تھے۔ اب کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سیاسی مصلحتوں پر مبنی معاہدوں کا لحاظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے اس متوقع وسوسہ کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا۔۔۔'' («صحیح بخاری کا مطالعہ» : ۵۸/۱۔۵۹)

(جواب): قارئین کرام! ہم نے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ نے جس روایت کی بنا پر اس آیتِ کریمہ کا محل نزول مقامِ عرفہ قرار دیا ہے، سب مسلمانوں کے برعکس اس کی صحت پر تو میرٹھی صاحب کو اعتراض ہے، لیکن افسوس ہے کہ میرٹھی صاحب نے اپنے اس دعوی پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ یہ آیتِ کریمہ سن ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء سے پہلے نازل ہوئی۔ منکرینِ حدیث کو چاہیے کہ ذرا اس پر ''بے غبار'' نہ سہی کوئی ''غبار دار'' سند ہی پیش کر دیں!!!

آخر میرٹھی صاحب نے کونسا کشف لگایا ہے کہ اجماعِ امت کے خلاف بغیر دلیل کے ان کو ۷ ہجری میں اس کا نزول نظر آ گیا ہے؟ حالانکہ منکرینِ حدیث کسی ایک مسلمان مفسر سے بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ اس نے عمرۃ القضاء سے پہلے سورۂ مائدہ کے نزول کا دعویٰ کیا ہو، اس کے برعکس اس طرح کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی أنّها نزلت منصرف رسول اللّٰه من الحديبية ، وذكر النقّاس عن أبی سلمة ... قال ابن العربیّ : هذا حديث موضوع ، لا يحلّ لمسلم اعتقاده ....

''ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ سے واپس آنے کے وقت نازل ہوئی۔ نقاش نے ابوسلمہ سے ذکر کیا ہے۔۔۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''موضوع'' (من گھڑت) ہے۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس (کی صحت) کا اعتقاد رکھے۔'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی : ۳۰/٦)

مفسر ابنِ عطیہ اندلسی لکھتے ہیں: **وهذا عندی لا يشبه كلام النبیّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم ، ومن هذه السّورة ما نزل فی حجّة الوداع ، ومنها ما نزل عام الفتح ...**

''میرے نزدیک یہ (من گھڑت روایت) نبی کریم ﷺ کی کلامِ مبارک سے ملتی جلتی بھی نہیں۔ (بلکہ اس کے برعکس) اس سورت کا بعض حصہ حجۃ الوداع میں نازل ہوا اور بعض حصہ فتحِ مکہ کے موقع پر نازل ہوا تھا۔۔'' (المحرر الوجیز لابن عطیة : ۱٦۷/۲)

لیجیے! یہ ہے انکارِ حدیث کا انجام بے خبر کہ امت کے اتفاقی فیصلۂ صحت کو چھوڑا اور ہاتھ میں وہ روایت آئی، جسے ائمہ مسلمین من گھڑت اور خود ساختہ قرار دے رہے ہیں اور جس کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کی فصیح و بلیغ زبان سے ادا ہونا ہی ممکن نہیں ہیں۔

پھر میرٹھی صاحب کا یہ قول بھی بالکل باطل ہے کہ اس سورت کے آغاز میں ان معاہدوں کو وفا کرنے کا حکم ہے، جو مسلمانوں نے مختلف قبائل عرب سے کیے تھے، خصوصاً معاہدۂ حدیبیہ، حالانکہ کسی مفسر نے اس سورت کے شانِ نزول کے بیان میں معاہدۂ حدیبیہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ بات چودہ سو سال بعد صرف میرٹھی صاحب کو سوجھی ہے۔ اس کے برعکس اس سورت کے شروع میں جن ''عقود'' کو نبھانے اور وفا کرنے کا ذکر ہے، ان کے بارے میں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأولى الأقوال عندنا بالصّواب ... وأنّ معناه أوفوا - يأيّها الّذين - بعقود اللّه الّتي أوجبها عليكم ، وعقدها فيما أحلّ لكم وحرّم عليكم ، وألزمكم فرضه ، وبيّن لكم حدوده ، وانّما قلنا ذلک أولى بالصّواب من غيره من الأقوال ، لأنّ اللّه عزّوجلّ أتبع ذلک البيان عمّا أحلّ لعباده وحرّم عليهم ، وما أوجب عليهم من فرائضه ، فكان معلوما بذلک أنّ قوله : ﴿ أَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾ أمر منه عباده بالعمل بما ألزمهم من فرائضه وعقوده عقيب ذلک ، ونهى منه لهم عن نقض ما عقده عليهم منه ... ''سب اقوال میں سے ہمارے نزدیک راجح یہ ہے۔۔۔ اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے ایمان والو! وہ عقود نبھاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں، حلت و حرمت میں جو قیود تم پر لگائی ہیں، جو فرض تم پر عائد کیے ہیں اور جو حدود تمہارے لیے بیان کی ہیں۔ ہم نے اسے دوسرے اقوال کی نسبت قرینِ صواب اس لیے قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنے بندوں پر حلال و حرام کی گئی چیزیں بیان کی ہیں اور اپنے عائد کیے ہوئے فرائض ذکر کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿أَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾ (اے ایمان والو! تم اپنے عہدوں کو نبھاؤ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں

کوحکم ہے کہ وہ اس کے ان فرائض وعقود کو پورا کریں جو اس حکم کے فوراً بعد بیان ہوئے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے مقرر کیے ہوئے فرائض کو پامال کرنے کی ممانعت ہے۔۔۔'' (تفسیر الطبری : ۹/٤٥٤)

میرٹھی صاحب جو ''سیاق وسباق'' کی بہت رَٹ لگاتے ہیں، ان کو امام طبری رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ فی الواقع سیاق وسباق سمجھ نہیں آیا کہ عقود کو پورا کرنے کا جو حکم اس سورت کے شروع میں دیا گیا ہے، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض کی پابندی ہے، کیونکہ ساتھ ہی تو حلت وحرمت کا ذکر آرہا ہے۔

ائمہ حدیث پر سیاق وسباق کو نہ سمجھ سکنے کا الزام رکھنے والے میرٹھی صاحب کی اپنی عقل یہاں پر بالکل سٹھیا گئی ہے اور مفسرین کا بیان کردہ سیاق وسباق بھی ان کے خانۂ عقل میں نہیں سما سکا اور انہوں نے ایسی بے بنیاد بات کہہ دی ہے، جو آج تک کسی مسلمان مفسر نے نہیں کہی، بلکہ ایسا کہنا ان کے نزدیک جائز ہی نہیں، جیسا کہ ہم مفسر ابن عطیہ کے بقول ذکر کر چکے ہیں!!!

قارئین کرام! آپ دیکھ چکے ہیں کہ مفسرین کرام کے مطابق اس سورت کا کچھ حصہ حجۃ الوداع کے موقع پر اور کچھ حصہ فتحِ مکہ کے موقع پر نازل ہوا، لیکن لغتِ عرب، قرآنِ کریم اور علمِ حدیث وتفسیر سے بالکل عاری اور تمام سلف صالحین کی مخالفت کرنے والے شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سورت عمرۃ القضاء سے پہلے ۷ ہجری میں نازل ہوئی۔ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آپ کس کی بات مانیں گے؟

اعتراض نمبر ③ : ''یہ تیسری آیت ہے، اسی کے ضمن میں اپنی یہ نعمت یاد دلائی کہ مشرکین کو دینِ اسلام سے سرسبز نہ ہوسکنے کی جو آس لگی ہوئی تھی، اپنا دم توڑ چکی ہے اور اصول وفروع کے لحاظ سے تمہارا دین اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس طرح تم پر اللہ کا یہ انعام پورا ہو چکا ہے۔ اب تمہیں اس پورے دین کے تحت زندگی گزارنا اور ہمیشہ اپنے رب کا فرمانبردار رہنا ہے۔ یہ ہی روش تمہارے لیے پسندیدہ ہے۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد مضمونِ بالا کا تتمہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جانور، جن کا گوشت کھانا تمہیں حرام ہے، حالتِ اضطرار میں بقدرِ ضرورت ان کا گوشت تناول کر لینے کی رخصت ہے۔۔۔ یہ ہم نسق آیات ایک ہی سلسلہ کی ہیں اور ان کا نزول اس وقت ہوا ہے، جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرۃ القضاء کے لیے تشریف لے جانے والے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو اس بے ہودہ بکواس کی کیا تُک ہے کہ ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ کا نزول سن ۱۰ ہجری میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ہوا تھا۔ طارق بن شہاب وقبیصہ بن ذؤیب ومحمد بن کعب قرظی کی

ذکر کردہ کہانی بھی قطعاً غلط ہے اور عمار بن ابی عمار کی بیان کردہ کہانی بھی باطل ہے۔ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی نہ حضرت ابنِ عباس نے۔ ان یاوہ گو راویوں نے نہ معلوم کس سے سنی ہوئی یہ غلط کہانی تو روایت کرڈالی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تقریباً تین سال تک مسلمان اس آیت کو ناقص پڑھتے رہے ہوں۔۔۔ کیونکہ ان راویوں کے بقول ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ کا نزول ہوا ہی نہ تھا اور اسی ناقص طور سے لکھنے والوں نے یہ آیت لکھی ہو، پھر نویں ذی الحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا ہو کہ اس آیت کے درمیان میں یہ اضافہ کرلو اور ایسا ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، حالانکہ صحیح تو کیا، کسی ضعیف روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی ان راویوں نے یہ سوچا کہ اس آیت میں ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ سے پہلے متصل ﴿ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ آیا ہے اور دونوں آیات ہم نسق ہیں۔ جب ارشادِ اوّل، یعنی ﴿ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ سن ۷ ہجری میں نازل ہوا ہے تو ارشادِ ثانی، یعنی ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... ﴾ کو سن ۱۰ ہجری میں نازل شدہ قرار دینے کی کیا تک ہے؟'' (««صحيح بخاری کا مطالعه»» : ۱/۵۹۔۶۱)

جواب : ① قارئین کرام ذرا میرٹھی صاحب کی دوغلی پالیسی ملاحظہ فرمائیں کہ سلف صالحین کے خلاف اپنی بے تکی تفسیر کو ''جملہ معترضہ'' کا سہارا دے کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن سب امت کی طرف سے کی گئی اتفاقی تفسیر میں ان کو اکثر یہی عیب نظر آیا ہے اس سے ہم نسق آیات میں کوئی ربط نہیں رہتا!

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی　　　وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد حلت وحرمت کا ذکر جملہ معترضہ نہیں، بلکہ پچھلی بات کا ہی تسلسل ہے، یعنی جن عقود کی ایفاء کا حکم تھا، اب انہی کو بیان کیا جارہا ہے۔

مشہور مفسر علامہ فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: **إعلم أنّه تعالىٰ لمّا قرّر بالآية الأولىٰ على جميع المكلّفين أنّه يلزمهم الانقياد لجميع تكاليف اللّٰه تعالىٰ ، وذلک کالأصل الكلّيّ والقاعدة الجميلة ، شرع بعد ذلک في ذكر التّكاليف المفصّلة ، فبدأ بذكر ما يحلّ وما يحرم من المطعومات ، فقال : ﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ**

﴿بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾(المائدة : ۵/۱) ''جان لیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کے پہلے ٹکڑے کے ساتھ تمام مکلفین پر ایک کلی اصول اور بہترین قاعدے کے ذریعے اپنے تمام احکامِ تکلیفیہ کی پیروی لازم کی تو اب ان احکامِ تکلیفیہ کی تفصیل بیان کرنا شروع کی ہے۔ ابتدا کھانے کی چیزوں میں سے حلال وحرام کے ذکر سے کی ہے، لہٰذا فرمایا: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة : ۵/۱)(تمہارے لیے چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں)۔''(التفسير الكبير للرازي : ۹۹/۱۱)

علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) بھی لکھتے ہیں: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة : ۵/۱) **شروع في تفصيل الأحكام الّتي أمر بوفائها ، وبدأ سبحانه بذلک ، لأنّه يتعلّق بضروريات المعاش ...** ''﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾(المائدة : ۵/۱)(تمہارے لیے چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں) یہ ان احکام کی تفصیل کی ابتدا ہے، جن کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ابتدا اس لیے کی ہے کہ یہ معاشی ضروریات کے متعلق ہے۔''(روح المعاني للآلوسي : ٤٩/٦)

معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے امتِ مسلمہ کی متفقہ تفسیر کو سینے سے لگایا ہے، ان کو ''جملہ معترضہ'' کہہ کر جان چھڑانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ ان کے نزدیک یہ الفاظ آیت کے پہلے ٹکڑے سے بالکل ہم ربط ہیں۔ اب کوئی میرٹھی صاحب کے معتقدین سے پوچھے کہ کیا اس آیت میں ان کو ایک ہی آیت کے دو ٹکڑوں کی بے ربطی نظر نہیں آئی؟ کیا وہ اب بھی امتِ مسلمہ کی اتفاقی تفسیر کے خلاف میرٹھی صاحب کی اس یاوہ گوئی اور بے ہودہ بکواس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں؟

② ہم گزشتہ صفحات میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا وقت عمرۃ القضاء سے پہلے ہونے کا دعویٰ کرنا نری خودسری اور علمِ تفسیر سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ کسی ایک مسلمان مفسر نے چودہ سو سال کے عرصہ میں آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا، نہ ہی میرٹھی صاحب اور ان کے معتقدین کے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے، لہٰذا آیات کے ہم نسق ہونے کو بنیاد بنا کر صحیح بخاری پر یہ اعتراض اور راویانِ حدیث، خصوصاً صحابیٔ رسول سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ یاوہ گوئی بالکل فضول ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم کو نہ سمجھا تھا۔ یہ تو خود منکرینِ حدیث کی اپنی بے عقلی اور علمِ قرآن سے دُوری ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا صحیح وقتِ نزول اور صحیح تفسیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔
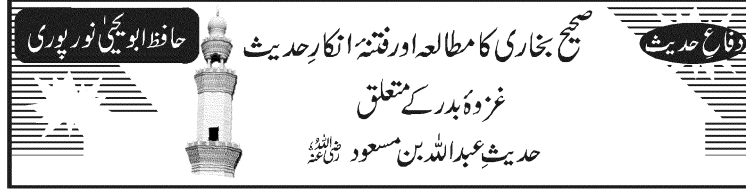
قارئین کرام! سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں، جو کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ صحیح بخاری کے اندر ان کی شان میں ایک حدیث موجود ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شهدتّ من المقداد مشهدا ، لأن أكون صاحبه أحبّ إليّ ممّا عدل به ، أتى النّبى صلّى الله عليه وسلّم ، وهو يدعوا على المشركين ، فقال : لا نقول كما قال قوم موسىٰ : ﴿ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا ﴾ (المائدة : ٢٤/٥) ، ولكنّا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين أيديك وخلفك ، فرأيت النّبى صلّى الله عليه وسلّم أشرق وجهه وسرّ ، يعنى : قوله . ''میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا وہ (رشک انگیز) مقام دیکھا ہے کہ میرا اس مقام والا ہونا مجھے اس کے برابر والے ہر عمل سے محبوب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ (غزوۂ بدر والے دن) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا، ہم اس طرح نہیں کہیں گے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا ﴾ (المائدة : ٢٤/٥) (آپ اور آپ کا رب جاؤ اور لڑائی کرو)، بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے لڑیں گے۔ (سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرا مبارک چمک اٹھا اور اس بات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر دیا۔''

(صحیح بخاری : ۳۹۵۲)

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صریح گستاخی کرنے والے ناعاقبت اندیشوں کو صحابہ کرام کی یہ منقبت کیسے ہضم ہو؟ انہوں نے اس پر اعتراض کی ٹھان لی ہے۔

آیئے امت کے اس اتفاقی فیصلے پر میرٹھی صاحب کی طرف سے کیے گئے فضول اعتراض کا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ کریں کہ حق پر کون ہے، پوری امتِ مسلمہ یا میرٹھی صاحب؟

اعتراض : ''یہ حدیث روایت کر کے طارق بن شہاب نے حضرت مقداد بن

اسود رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی تھی، لیکن حضرت مقداد کی جلالتِ قدر اس جھوٹی منقبت کی محتاج نہ تھی۔ میں اسے جھوٹی منقبت اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اور بعد کے مسلمانوں کو یہ واقعہ معلوم ہوا ہے اور بلاشبہ سورۃ المائدہ جنگِ بدر کے تقریباً ۵ برس بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر ۲ ہجری میں مقداد ابن اسود کو قرآن کا بیان فرمودہ قصہ قرآن کے الفاظ میں کیسے معلوم ہوسکتا تھا اور وہ اپنی اور مسلمانوں کی وفاداری و جاں نثاری کا ذکر کرتے ہوئے اس قصہ کا حوالہ کیسے دے سکتے تھے اور یقیناً یہ غلط بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہیں کہی۔ یہ طارق بن شہاب کی ہی دروغ بافی ہے اور سخت حیرت وافسوس ہے کہ امام بخاری تک بھی کسی راوی نے اس پر غور نہیں کیا اور امام بخاری نے بھی اس جھوٹی روایت کو درجِ صحیح کر دیا۔'' (((صحیح بخاری کا مطالعہ)) : ۶۲/۱-۶۳)

جواب : قارئین کرام! میرٹھی صاحب نے حدیث کا ترجمہ کرتے وقت خیانتِ علمی سے کام لیتے ہوئے اپنی طرف سے ''بدر کے دن'' کے الفاظ بڑھا دیئے ہیں، حالانکہ:

① صحیح بخاری کی اس حدیث میں اس طرح کا کوئی لفظ قطعاً موجود نہیں، نہ ہی اس واقعہ کے وقوع کو غزوۂ بدر سے پہلے قرار دینا صحیح ہے، بلکہ یہ تو غزوۂ بدر کے بہت بعد سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے، لہٰذا اسے خوامخواہ غزوۂ بدر کے دوران کا واقعہ گردان کر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا بہت بڑی تلبیس اور بہت بڑا دھوکا ہے۔

مسند احمد (۳۱٤/٤) اور السنن الکبریٰ للنسائی (۱۱۱٤۰)، تاریخ دمشق (۱٦۰/٦۰) والی روایت میں اس واقعہ کا ذکر غزوۂ بدر کے دوران کیا گیا ہے، لیکن یہ روایت تمام سندوں میں امام سفیان کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، کہیں بھی سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

طبقات ابنِ سعد (۱٤/۲) والی روایت کی کئی سندیں ہیں، جن میں ایک سند میں امام ابنِ سعد کا استاذ محمد بن عمر الواقدی ہے، جو کہ مشہور و معروف ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔ بات اگر یہیں تک ہوتی تو شاید دوسری سندوں کی تحقیق کی جاتی، لیکن اس سے بھی سنگین صورتِ حال یہ ہے کہ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے یہ صراحت کر دی ہے کہ ان سب راویوں کی حدیثیں آپس میں مل گئی ہیں۔ (۵/۲)

اب اگر دوسری سندیں صحیح ثابت بھی ہو جائیں تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ ہماری مطلوبہ بات واقدی

''کذاب'' والی سند سے ہے یا دوسری اسانید سے، لہٰذا اس سے اس واقعہ کے غزوۂ بدر میں ہونے پر استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں بھی جنگِ بدر کے بیان کے ساتھ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی نہیں کہ انہوں نے کہا ہو: ﴿ اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ﴾ (المائدۃ: ٥/٢٤) (آپ اور آپ کا رب جاؤ اور لڑائی کرو)، بلکہ وہاں پر غزوۂ بدر کے تذکرہ میں یہ الفاظ مروی ہیں: **والذی بعثک بالحق ! لو سرت بنا إلی برک الغماد لسرنا معک حتّٰی ننتهی إلیه ...**

''اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر آپ ہمیں برک الغماد مقام تک لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے حتی کہ وہاں پہنچ جائیں۔'' (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ٢/١٤)

اس بارے میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی مسند احمد (٣/١٠٥، ١٨٨)، سنن نسائی (٤٣٤٨، ٨٥٨٠، ١١١٤١)، ابنِ حبان (٤٧٢١) وغیرہم والی اسی معنیٰ والی حدیث کی سند حمید الطّویل کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

اسی طرح تفسیر ابن ابی حاتم (٦/١٦٥٩) کی اس معنیٰ والی حدیثِ ابی ایوب کی سند عبداللہ بن لہیعہ کے ''ضعف'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

الحاصل جو سندیں اس واقعہ کے غزوۂ بدر کے موقع پر ہونے کے بارے میں صحیح ثابت ہیں، مثلاً صحیح بخاری (٣٩٥٢)، مسند احمد (٣/٢١٩، ٢٢٠، ٢٥٨)، ابنِ حبان (٤٧٢٢)، تاریخِ دمشق (٦٠/١٥٩) وغیرہم میں سے کسی میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں، جن کی بنا پر میرٹھی صاحب نے صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح حدیث پر ایک بالکل غیر صحیح اعتراض کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں بھی سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبے کا اظہار کیا تھا، لیکن ان الفاظ سے نہیں، کیونکہ اس وقت اس آیت کا نزول ہی نہ ہوا تھا، البتہ دوبارہ کسی موقع پر جب جذبۂ جہاد کا اظہار سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کیا، اس میں یہ الفاظ موجود ہیں، کیونکہ اس وقت ان کا نزول ہو چکا تھا۔ **وللہ الحمد !**

② ہوسکتا ہو کہ میرٹھی صاحب کو امام بخاری رحمہ اللہ کے اس حدیث کو باب غزوۃ البدر کے متصل بعد ذکر کرنے سے شبہ ہو گیا ہو کہ شاید امام بخاری نے اس حدیث کو غزوۂ بدر کے متعلق سمجھا

ہے، لیکن یہ بات درست نہیں، کیونکہ امام موصوف نے اس حدیث کو ایک مستقل باب کے تحت ذکر کیا ہے، نہ کہ باب غزوة البدر کے تحت۔

یوں میرٹھی صاحب کا اسے غزوۂ بدر کا واقعہ قرار دے کر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا خود ان کی کم علمی و کج فہمی ہے۔ کاش پوری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے کو چیلنج کرنے کے لیے میرٹھی صاحب تھوڑی سی ہی تحقیق سے کام لے لیتے!

③ ہم پچھلی حدیث کے دفاع میں بالتفصیل یہ ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہیں، لہٰذا اس صحابیٔ رسول کو بار بار "دروغ باف" کہہ کر ان کی گستاخی کی ہے اور اس ارتکاب سے میرٹھی صاحب نے اپنی عقبیٰ گنوانے کے سوا کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا۔

④ میرٹھی صاحب امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے راویانِ حدیث پر افسوس کر رہے ہیں تو درحقیقت "چور بھی کہے چور چور" کے مصداق بنے ہیں۔ اب میرٹھی صاحب کے معتقدین کو ان کی عقل پر انتہائی افسوس کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے صحابہ کرام اور ثقہ و معتبر محدثین کرام پر ناحق زبان درازی کر کے اپنے ہی ایمان کا نقصان کر لیا ہے۔

⑤ اب تو قارئین کرام، خصوصاً شبیر احمد از ہر میرٹھی صاحب کے معتقدین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس حدیث کو "جھوٹی روایت" کہنا خود میرٹھی صاحب کا بدترین جھوٹ ہے۔ ہمارے اس منصفانہ تجزیہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے اتفاق کو ٹھکرانے والا شخص لاکھ دعووں کے باوجود جاہل اور کج فہم ہی ہوتا ہے، کیونکہ عقل مندی اجماعِ امت کو تسلیم کر لینے میں ہی تو ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اعتذار

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نمازِ جنازہ پڑھائی، اس پر چار تکبیریں کہیں اور پھر ایک ہی سلام پھیرا۔" (سنن الدارقطنی: ۱۷۱/۲، ح: ۱۷۹۹) **السنة**، شمارہ نمبر ⑮، صفحہ نمبر ۲۳ پر یہ حدیث درج ہے، لیکن اس کی سند حفص بن غیاث کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔ ② **السنة**، شمارہ نمبر ⑰، صفحہ نمبر ۵ پر حافظ نووی کا قول عبداللہ بن عبداللہ کے متعلق لکھا گیا ہے، جبکہ وہ اسماعیل بن ابی اویس کے بارے میں ہے۔

دفاعِ حدیث　　حافظ ابو یحییٰ نور پوری

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہ
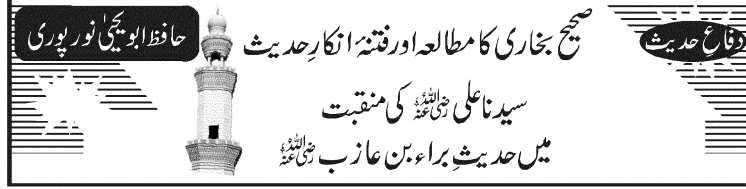
قارئین کرام! آپ گزشتہ اوراق، خصوصاً سابقہ حدیث کے مطالعہ سے بخوبی یہ جان چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی میرٹھی صاحب کی مرغوب عادت ہے، جسے وہ بہانے بہانے سے پورا کرتے رہتے ہیں۔ بات یہیں نہیں رکتی، بلکہ اگر کوئی روایت کسی صحابی کی شان بیان کر رہی ہو تو ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگتے ہیں اور وہ اس میں کوئی اعتراض کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔

صحیح بخاری کی زیرِ بحث حدیث میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

① صلح حدیبیہ کا قصہ

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے واپسی کے وقت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا چچا چچا پکارتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگنا اور پھر اس کی کفالت میں اختلاف کا پورا واقعہ۔

③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کے بارے میں رائے معلوم کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بہن کہہ کر اس نکاح سے انکار کر دینا۔

بات یہیں تک ہوتی تو شاید منکرینِ حدیث کو بھا جاتی، لیکن ہوا یوں کہ اس حدیث میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت بیان ہوئی ہے۔

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أنت منّي و أنا منك .**

''آپ مجھ سے اور میں آپ سے ہوں۔''

❁ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اظہارِ تعلق فرمایا: **أشبهت خَلْقي و خُلُقي .**

''آپ سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہ ہیں۔''

❁ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **أنت أخونا و مولانا .**

''آپ ہمارے بھائی اور مولیٰ ہیں۔''

میرٹھی صاحب کے عنوان سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس حدیث پر اعتراض کی وجہ یہی ہے کہ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت و منقبت کا بیان ہے اور وہ اس سے ان کو بہت چڑ ہے۔

آیئے ان کے اس متفق علیہ صحیح حدیث پر کیے گئے اعتراضات کی علمی حیثیت معلوم کریں!

اعتراض نمبر ① : ''اس حدیث پر کلام کرنے سے پہلے میں عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کا تعارف کرا دینا چاہتا ہوں، جس سے امام بخاری نے یہ حدیث سنی تھی۔ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کثیر الحدیث شخص تھا۔ کثرتِ احادیث کی بنا پر اس کا شمار حافظانِ حدیث میں ہوتا ہے۔ اسے دیکھنے اور چند روز اس سے ملاقات کے لیے آنے والوں پر اس کے علم اور زہد و عبادت اور تقشّف کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا اور وہ اس کے عقیدت مند بن جاتے تھے، لیکن شیعی فکر و نظر کا حامل اور اس میں غلو و کج روی میں مبتلا تھا۔ یعقوب بن سفیان نے اس کے متعلق کہا ہے: شیعیّ ، وإن قال قائل : رافض ، لم أنكر عليه ، وهو منكر الحديث . (وہ شیعی ہے اور اگر کوئی اسے رافضی بتائے تو میں اس کی تردید نہ کروں گا اور وہ غلط بیان شخص ہے)۔ ابواسحاق جوزجانی کا قول ہے، عبیداللہ بن موسیٰ أغلىٰ وأسوأ مذهبا وأروى للعجائب . (عبیداللہ مسلک کے لحاظ سے بہت برا اور غلو کار اور عجیب، یعنی غیر معقول روایات کو کثرت سے بیان کرنے والا ہے)، حافظ ابو مسلم بغدادی نے کہا ہے عبيدالله بن موسىٰ من المتروكين ، تركه أحمد لتشيّعه . (عبیداللہ ان راویوں میں سے ہے، جن کی بیان کردہ حدیثوں کو اہل حق نے بیان کرنا چھوڑ دیا ہے، امام احمد نے اس کے غالی شیعہ، یعنی رافضی ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہے، یعنی اس کی روایات کو ناقابل قبول قرار دے دیا تھا)۔ ساجی کی تحقیق یہ ہے، عبيدالله صدوق ، كان يفرط في التّشيّع .

امام بخاری اور اوائل طلب میں اس کے پاس گئے اور اس سے حدیثیں سنی اور یاد کی تھیں۔ اس کے زہد و تعبد اور کثرتِ روایات سے بخاری بھی فریب کھا گئے۔ یہ حدیث عبیداللہ بن موسیٰ نے بخاری کو ایسی تلبیس اور عیاری کے ساتھ سنائی تھی کہ بخاری اسے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیثِ صحیح گمان کر بیٹھے اور اپنی کتاب میں اسے ثبت کرنے کی غلطی کر گزرے۔''

(«صحیح بخاری کا مطالعہ» : ٦٦/١)

(جواب) : **قارئین!** شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب کا عبیداللہ بن موسیٰ العبسی پر یہ جرح نقل کرنا ان کی اصولِ حدیث اور علم رجال سے جہالت کی روشن دلیل ہے، کیونکہ:

(۱) عبیداللہ بن موسیٰ کو بہت سے محدثین نے ثقہ و معتبر قرار دیا ہے، جن کا ذکر میرٹھی

صاحب خیانت کرتے ہوئے ڈکار گئے ہیں۔آیئے ملاحظہ فرمائیں:

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۱۵۸۔۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی تھے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۳٤/٥، وسندہٗ صحیحٌ)

② امام ابوحاتم رحمہ اللہ (۱۹۵۔۲۷۷ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

صدوق ، کوفیّ ، حسن الحدیث ، وأبو نعیم أتقن منه ، وعبید اللّٰه أثبتهم فی إسرائیل ، وهو ثقة .. ''یہ سچے آدمی تھے، کوفہ کے رہائشی تھے، ان کی حدیث (کم از کم) حسن ہوتی ہے۔ابونعیم ان سے پختہ تھے، لیکن اسرائیل سے بیان کرنے میں تو عبیداللہ سب سے بڑھ کر معتبر ہوتا ہے، وہ ثقہ راوی ہے۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۳٤/٥، وسندہٗ صحیحٌ)

③ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: **کوفیّ ، ثقة ، عالم بالقرآن ، صدوق .** ''وہ کوفہ کے رہنے والے، ثقہ تھے، قرآنِ کریم کے عالم اور سچے تھے۔''(الثقات للعجلی : ۱٤٤/۲)

④ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ (۱۶۸۔۲۳۰ھ) لکھتے ہیں: **وکان ثقة ، صدوقا ، إن شاء اللّٰه ...** ''وہ ثقہ اور سچے تھے، **إن شاء اللّٰه !** ''(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ٤۰۰/٦)

⑤ امام عمر بن احمد، ابنِ شاہین رحمہ اللہ (۲۹۷۔۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

صدوق ، ثقة ، وکان یضطرب فی حدیثه عن سفیان اضطرابا قبیحا .

''وہ صدوق اور ثقہ تھے، البتہ سفیان (ثوری) کی احادیث میں سخت اضطراب میں پڑتے تھے۔''(تاریخ اسماء الثقات لابن شاهین : ۱٦٥/۱)

⑥ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ) بھی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔(الثقات : ۱٥۲/۷)

⑦، ⑧ امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵٦ھ) اور امام مسلم رحمہ اللہ (۲۰۴۔۲۶۱ھ) کا ان سے روایات بیان کرنا ان دونوں کے نزدیک عبیداللہ بن موسیٰ کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے صحت کی شرط کو ملحوظ رکھا ہے۔

⑨ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) نے بھی اپنی کتاب میں صحت کی شرط لگائی ہے اور عبیداللہ بن موسیٰ سے کثرت کے ساتھ روایات بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ان کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔

⑩ امام ابن الجارود رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ) نے اپنی بھی کتاب المنتقیٰ میں ان سے کئی ایک مقامات پر روایت لے کر ان کی توثیق کی ہے، کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتاب میں صحت کی شرط رکھی ہے۔ تلك عشرة كاملة !

اس کے علاوہ امتِ مسلمہ کے تمام محدثین وناقدین کا صحیح بخاری ومسلم کی صحت پر اتفاق کرنا عبیداللہ بن موسیٰ العبسی کی ثقاہت پر زبردست دلیل ہے۔

پھر توثیق وجرح کے ان سب اقوال کو مدِّ نظر رکھ کر ناقدِ رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے عبیداللہ بن موسیٰ کو ثقہ اور بڑے بڑے علمائے حدیث میں سے ایک کہا ہے۔(الکاشف للذہبی : ۳۵۹۳)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ بھی عبیداللہ بن موسیٰ کے بارے میں سب اقوال کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں:

ثقة ، كان يتشيّع . ''ثقہ تھے، شیعیت میں مبتلا تھے۔''(تقریب التھذیب : ٤٣٤٥)

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ اتنے محدثین کی طرف سے عبیداللہ بن موسیٰ کے ثقہ ہونے کی صراحت کے بعد میرٹھی صاحب کی بات کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے؟ کیا کسی راوی کے بارے میں ناقدینِ رجال کی آراء کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اور باقی ساری امتِ مسلمہ بہتر سمجھتی ہے یا فنِّ رجال سے یکسر جاہل منکرینِ حدیث؟ فیصلہ خود کریں!

(۲) محدثین کا عبیداللہ بن موسیٰ کو شیعہ کہنا کوئی جرح نہیں، کیونکہ متقدمین کی اصطلاح میں ''تشیع'' کا مطلب صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتقاد ہے، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

التّشيّع في عرف المتقدّمين هو اعتقاد تفضيل عليّ علىٰ عثمان ، وأنّ عليّا كان مصيبا في حروبه ، وأنّ مخالفه مخطئ ، مع تقديم الشّيخين وتفضيلهما ، وربّما اعتقد بعضهم أنّ عليّا أفضل الخلق بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وإذا كان مُعتقِد ذلك ورعا ، ديّنا ، صادقا ، مجتهدا ، فلا تردّ روايته بهذا ، لاسيّما إن كان غير داعية . ''متقدمین کی اصطلاح میں تشیع سے مراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا ہے، نیز یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین غلطی پر تھے۔ ان (متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ لوگوں) میں سے کوئی (تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام کرنے کے ساتھ

ساتھ) بسا اوقات یہ بھی عقیدہ بھی رکھ لیتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب مخلوق سے افضل ہیں ۔ جب اس اعتقاد والا آدمی پرہیز گار، دین دار، سچا اور مجتہد ہو تو اس کی روایت کو ردّ نہیں کیا جائے گا۔'' (تهذيب التهذيب لابن حجر : ٨١/١)

معلوم ہوا کہ متقدمین دشمنِ صحابہ کو شیعہ نہیں کہتے تھے، بلکہ رافضی کہتے تھے، لہٰذا جب راوی سچا ہو تو شیعہ ہونا اس کی روایت میں کوئی جرح نہیں ۔ اب ہر منصف مزاج آدمی خود ہی اندازہ لگالے کہ بھلا میرٹھی صاحب جیسے شخص کا عبید اللہ بن موسیٰ پر یہ اعتراض کرنا اور اس وجہ سے صحیح بخاری کی صحت کو مشکوک سمجھنا کہاں کا انصاف ہے؟

(۳) رہا میرٹھی صاحب کا ابو اسحاق جوزجانی کی عبید اللہ بن موسیٰ پر جرح نقل کرنا تو یہ بھی ان کے اقوالِ محدثین اور علمِ رجال کی ابجد سے بھی ناواقف ہونے کی صریح دلیل ہے ۔ اوّلاً تو قریباً ایک درجن کے قریب محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ابو اسحاق جوزجانی کی جرح کچھ حیثیت نہیں رکھتی، ثانیاً یہ جرح اصولاً بھی مردود ہے۔

اگر میرٹھی صاحب حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت ہی پڑھ لیتے تو ان کی تسلی ہو جاتی اور وہ اتنی بڑی جہالت کا منہ نہ دیکھتے ۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جن لوگوں کے جرح والے قول کو قبول کرنے میں توقف کرنا ضروری ہے، ان میں سے وہ شخص بھی ہے، جس کی مجروح راوی سے بسببِ اختلافِ عقیدہ عداوت ہو، چنانچہ جب کوئی ماہر (رِجال) آدمی ابو اسحاق جوزجانی کی اہل کوفہ کے خلاف جرح پر غور کرے گا، وہ عجیب طرز دیکھے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقیدۂ نصب (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عداوت) میں سخت انحراف کا شکار ہیں، جبکہ کوفہ والے تشیع (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت) میں مشہور ہیں، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اہل کوفہ میں سے جس کو بھی ابو اسحاق جوزجانی نے ذکر کیا ہے، اس پر تیز زبان اور سخت عبارت کے ساتھ جرح کرنے میں توقف نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ امام اعمش، ابو نعیم اور عبید اللہ بن موسیٰ (عبسی)، جیسے حدیث کے پائیوں اور روایت کے ستونوں پر بھی جرح کرنا شروع ہو گئے تھے ۔ چنانچہ جب جوزجانی کے مقابلے میں جب ان کا ہم پلہ امام یا ان سے بڑا امام اس آدمی کو ثقہ کہہ دے، جس کو جوزجانی کے ضعیف کہا ہو تو توثیق کو قبول کیا جائے گا۔۔۔''

(لسان الميزان لابن حجر : ١٦/١)

❁ اسی طرح امام یعقوب بن سفیان الفسوی کا عبیداللہ بن موسیٰ کو رافضی کہنا(المعرفة والتاريخ : ۲۰۹/۳)ان کی غلط فہمی ہے اور جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، نیز اس وجہ سے بھی قابل التفات نہیں کہ رافضی لوگ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ،خصوصاً شیخین ،یعنی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو بہت برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ عبیداللہ بن موسیٰ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک بہت ہی زبردست قول مروی ہے۔

امام ابوبکر الشافعی ،جن کے بارے میں مشہور ناقدِ رجال امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جبل ، ثقة ، مأمون ، ما كان في ذلك الزّمان أوثق منه .

''یہ (حافظے اور ضبط) کے پہاڑ تھے ،ثقہ و مامون تھے ،اس دور میں ان سے بڑھ کر ثقہ کوئی نہ تھا۔''(سوالات حمزة بن يوسف السهمي : ٤٠٣)

یہ جبل الحفظ والعلم امام ابوبکر الشافعی رحمہ اللہ اپنی غیلانیات میں اس قول کو یوں باسند بیان کرتے ہیں: **حدّثنا محمّد بن سليمان بن الحارث الواسطيّ ، ثنا عبيد اللّٰه بن موسىٰ العبسيّ ، ثنا مالك بن مغول عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه ، قال : قال عليّ : خيرنا بعد نبيّنا أبو بكر وعمر .** ''ہمیں محمد بن سلیمان بن حارث واسطی(ثقة ، انظر : سير اعلام النبلاء : ۳۸۷/۱۳)نے حدیث بیان کی ،وہ کہتے ہیں ،ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ عبسی نے حدیث بیان کی ،وہ کہتے ہیں ،ہمیں مالک بن مغول(ثقة ، ثبت ، حجة) نے حدیث بیان کی ،وہ عون بن ابی جحیفہ (ثقة)سے حدیث بیان کرتے ہیں ،وہ اپنے والد (صحابیٔ رسول سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم میں سے سب سے بہتر سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

(كتاب الفوائد (الغيلانيات) لابي بكر الشافعي : ١١٤/١، رقم : ٧١، وسندهٗ صحيحٌ كما ترىٰ)

❁ اب بھی کوئی منکرِ حدیث اگر عبیداللہ بن موسیٰ کو رافضی کہہ کر صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کی جسارت کرے تو اس ناعاقبت اندیش کی اپنی ہی بدبختی ہے!

اب تو قارئین کرام کو یقین ہو جانا چاہیے کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کے بقول میرٹھی صاحب فنِّ رجال میں ماہر نہیں ہیں ، ورنہ انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے تھی کہ عبیداللہ بن موسیٰ کوفی ہیں اور سیدنا

علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ محبت کی وجہ سے جوزجانی نے ان پر جرح کی ہے، کیونکہ یہ ناصبی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نفرت کرنے والے) تھے۔ اور یعقوب بن سفیان کی جرح ان کی غلط فہمی ہے۔

(٤) پھر اگر اصولاً اس جرح کے مقابلے میں کوئی ایک بھی امام عبیداللہ بن موسیٰ کو ثقہ کہہ دیتا تو اس کی بات قبول کی جانی ضروری تھی، ہم نے تو قریباً ایک درجن محدثین ونقادِ رجال کے اقوال سے موسیٰ بن عبیداللہ کی توثیق ثابت کر دی ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص میرٹھی صاحب کو صحیح بخاری کی اتفاقی طور پر صحیح احادیث پر اعتراضات کرنے کے قابل سمجھتا ہے؟

(٥) مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہماری بیان کی ہوئی صراحتِ محدثین کے مطابق عبیداللہ ابن موسیٰ اپنے شیخ اسرائیل بن یونس سے بیان کرنے میں سب سے پختہ کار و معتبر ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث میں بھی عبیداللہ اپنے اسی شیخ اسرائیل بن یونس سے ہی بیان کر رہا ہے، لیکن میرٹھی صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی بنا پر اس حدیث پر اعتراض کر کے اپنی جہالت پر مہر ثبت کر دی ہے۔

(٦) رہا امام ساجی کا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ: **كان يفرط في التّشيّع .**

''یہ تشیع میں بڑھے ہوئے تھے۔'' (تهذيب التهذيب : ٤٧/٧)

۞ اوّلاً تو اس کی کوئی سند ہمیں نہیں مل سکی، جس سے معلوم ہو کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کو امام ساجی کا یہ قول کس ذریعے سے پہنچا تھا؟

۞ ثانیاً ان الفاظ سے پہلے امام ساجی کا عبیداللہ بن موسیٰ کو ''صدوق'' کہنا خود میرٹھی صاحب نقل کر چکے ہیں، لہٰذا اگر امام ساجی سے یہ قول ثابت ہو بھی جائے تو ان کے نزدیک تشیع میں بڑھنے سے مراد رافضی ہونا اور حدیث میں غیر معتبر ہو جانا قطعاً نہیں ہو سکتا۔

متقدمین محدثین کے نزدیک بھی شیعیت میں غلو سے مراد رافضیت نہیں ہوتی، لہٰذا میرٹھی صاحب کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ غالی شیعہ رافضی ہوتا ہے، بلکہ جب متقدمین کسی راوی کے بارے میں غالی شیعہ کے الفاظ استعمال کریں تو اس سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے ان کا مقام و مرتبہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھانا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو غلطی پر قرار دینا ہوتا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہوئی ہے۔ (ميزان الاعتدال للذهبي : ٥/١-٦)

کاش کہ میرٹھی صاحب اصولِ حدیث کا کچھ علم حاصل کر لیتے!

(۷) امام احمد رحمہ اللہ کا اس کے غالی شیعی ، ''یعنی رافضی'' ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دینا بھی باسند ثابت نہیں ہوسکا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس بات کا اظہار کہاں کیا ہے؟ منکرینِ حدیث اس کی سند تلاش کر کے بتائیں ، پھر ہم اس کا جواب اصولِ حدیث کے مطابق یہ دے دیں گے کہ تشیع کوئی جرح نہیں ہے۔ نیز ہم یہ بھی کہیں گے کہ اس غیر ثابت جرح کے خلاف امام احمد رحمہ اللہ سے یہ قول بالکل صحیح ثابت ہے کہ : **ربّما أخرجت عنه ، وربّما ضربت عليه ، حدّث عن قوم غير ثقات ، فإن كان من حديث الأعمش فعلي ذلك .** ''میں نے کبھی ان کی حدیث بیان کی ہے اور کبھی چھوڑ دی ہے۔ انہوں نے غیر معتبر لوگوں سے احادیث بیان کی ہے۔ اگر اَعمش سے اس کی حدیث ہو تو وہ اسی طرح (منکر) ہوگی۔'' (سوالات المروذی : ۳۰۹)

معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ بھی عبیداللہ بن موسیٰ کو ''ضعیف'' نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کے شیوخ کی وجہ سے ان کی روایات چھوڑتے تھے، اسی لیے ان کی وہ روایات لے لیتے تھے، جو انہوں نے ثقہ راویوں سے بیان کی ہوتی تھیں۔

رہا میرٹھی صاحب کا اپنا خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے یہ الفاظ ''یعنی رافضی'' بڑھانا تو اس کا ردّ ہماری بیان کردہ اس روایت سے بخوبی ہوجائے گا ، جس میں عبیداللہ بن موسیٰ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول روایت کررہے ہیں۔

نیز ہم گذشتہ سطروں میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ اصولِ حدیث کے مطابق بھی متقدمین کی طرف سے غالی شیعہ کا معنی رافضی نہیں ہوسکتا۔ یہ سراسر جہالت پر مبنی بات ہے۔

یہ ہے میرٹھی صاحب کی اپنی علمی و مطالعاتی قابلیت اور وہ اعتراض کرتے ہیں امیرالمومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی اس کتاب پر جسے پوری امت نے اتفاق کے ساتھ قبول کرلیا ہے۔

ع ایہہ گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں!

صحیح بخاری پر اعتراض کرنے کی پاداش میں اتنی سبکی اور شرمندگی اٹھانے کے بعد منکرینِ حدیث کو چاہیے کہ اب ہی تائب ہوجائیں اور آئندہ ایسی جسارت سے قیامت تک کے لیے سچی اور پکی توبہ کرلیں ۔ اگر وہ اس سے باز نہ آئیں گے تو محدثین کے حقیقی وارث اہل الحدیث ان کی تلبیسوں ، عیاریوں ، غلطیوں اور جہالتوں کو آشکار کرتے رہیں گے۔ **إن شاء الله !**

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

وفات النبی ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

صحابیٔ رسول سیدنا سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے مرض میں آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی، پھر افاقہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کی گئی، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا، بلال کو حکم دو کہ وہ اذان کہیں اور ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، میرے والد تو نہایت نرم دل آدمی ہیں۔ جب وہ اس جگہ (مصلّیٔ رسول) پر کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور نماز نہ پڑھا سکیں گے، اگر آپ کسی اور کو حکم دیں تو اچھا ہو گا۔ آپ ﷺ پر پھر غشی طاری ہوئی، پھر افاقہ ہوا تو فرمایا، بلال کو حکم دو کہ وہ اذان کہیں اور ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم تو یوسف والیاں ہو۔ پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا، انہوں نے اذان کہی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا، انہوں نے نماز پڑھائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کچھ سکون محسوس کیا تو فرمایا، میرے سہارا لینے (اور مسجد جانے) کے لیے کسی کو دیکھو۔ بریرہ اور ایک آدمی آئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کا سہارا لیا (اور مسجد میں آ گئے)، جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو (مصلّیٔ امامت سے) پیچھے ہٹنے لگے، آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ اپنی جگہ میں رہیں، یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم! میں کسی کو یہ کہتے نہیں سنوں گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، مگر اپنی اس تلوار سے قتل کر دوں گا اور کہا، لوگ ان پڑھ تھے، ان میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں تھا (جہالت ابھی باقی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کیسے فوت ہو سکتے ہیں؟)۔ لوگ سہم گئے اور انہوں نے کہا، اے سالم! تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کو بلاؤ۔ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، آپ رضی اللہ عنہ اپنی مسجد میں تھے، میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس روتے ہوئے اور دہشت زدہ گیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگے، کیا رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں؟ میں نے کہا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میں کسی کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنوں گا، مگر اپنی اس تلوار سے اسے قتل کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا، چلو۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا۔ آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لوگو! مجھے راستہ دو! لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو راستہ دے دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ آئے کر رسول اللہ ﷺ پر جھک گئے اور آپ ﷺ کو بوسہ دیا، پھر قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ﴾(الزمر: ۳۰/۳۹) (اے نبی! یقیناً آپ فوت ہونے

والے ہیں اور وہ کافر بھی فوت ہونے والے ہیں)، پھر لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول کے ساتھی! کیا رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں! لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سچ کہہ رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا، اے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی! کیا رسول اللہ ﷺ کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں! انہوں نے کہا، کیسے ؟ فرمایا، کچھ لوگ (حجرۂ عائشہ میں) داخل ہوں گے اور اللہ اکبر کہیں گے، درود وسلام پڑھیں گے اور دعا کریں گے، پھر وہ نکل آئیں گے، پھر کچھ لوگ داخل ہوں گے اور اللہ اکبر کہیں گے، درود وسلام پڑھیں گے اور دعا کر کے نکل آئیں گے، یہاں تک کہ (تمام) لوگ داخل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول کے ساتھی؟ کیا رسول اللہ ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟ فرمایا، ہاں! انہوں نے کہا، کہاں؟ فرمایا، اسی جگہ میں، جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح عمدہ جگہ میں ہی قبض فرمائی ہے۔ انہوں نے جان لیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ کو آپ کے خاندان والے غسل دیں۔ مہاجرین مشورہ کے لیے جمع ہوئے، انہوں نے کہا، آپ ہمارے ساتھ ہمارے انصاری بھائیوں کی طرف چلیں تا کہ ہم ان کو بھی اس معاملے میں اپنے ساتھ شامل کر لیں۔ انصار نے کہا، ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کس کے لیے ان تین فضائل جیسی کوئی فضیلت ہے؟ اس جیسی منقبت کس کے لیے ہے؟ ﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (التوبة : ٤٠/٩) ، (آپ ﷺ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب آپ ﷺ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے)، وہ دونوں کون ہیں؟ پھر آپ نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی اور سب لوگوں نے اچھی اور خوبصورت بیعت کی۔"

(الشمائل للترمذی : ٣٩٦، مسند عبد بن حمید : ٣٦٥، السنن الکبریٰ (کتاب الوفاة) للنسائی : ٤٢، المعجم الکبیر للطبرانی : ٦٥/٧، دلائل النبوة للبیهقی : ٢٩٩/٧، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (١٥٤١، ١٦٢٤) نے "صحیح" کہا ہے۔

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **ورجالهٗ ثقات .** "اس کے راوی ثقہ ہیں۔" (مجمع الزوائد : ١٨٣/٥)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **إسناده صحيح ، لكنّه موقوف .**

"اس روایت کی سند صحیح ہے، لیکن یہ قولِ صحابی ہے۔" (فتح الباری لابن حجر : ٥٢٩/١)

بوصیری کہتے ہیں: **هذا إسناد صحيح ، رجاله ثقات .** "یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔" (مصباح الزجاجة : ١٤٦/١، ح : ١٢٣٤)